قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۲۱ | ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ - جنوری ۲۰۰۲ء | شمارہ ۱

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: داؤد منزل متصل شاہ بجری۔ شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۹۵۸۶

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سن عیسوی کے اعتبار سے نئے سال کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ لیکن اس کرۂ ارض پر کہ جس میں انسان کو خلیفتہ اللہ کا مقام عطا کیا گیا تھا' تا حال اسلام کی سحر طلوع نہ ہو سکی' بلکہ ۲۰۰۱ء کا سورج عالم اسلام کو وحشت و بربریت اور مغربی استعمار کی سازشوں کا نشانہ بنتے اور سرزمین افغانستان میں اللہ کے وفاداروں کے پاک خون کو ''ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو'' کا مصداق بنتے اور اسلام کے روشن مستقبل کے حوالے سے امارت اسلامی افغانستان سے وابستہ خوش کن تمناؤں کا خون ہوتے دیکھتا اور مسلمان حکمرانوں کی نامسلمانی پر حسرت و یاس کی نگاہ ڈالتا ہوا غروب ہوا۔

یہ داغ داغ اجالا' یہ شب گزیدہ سحر
کہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں!

سرزمین افغانستان میں طالبان کی مجاہدانہ مساعی اور قربانیوں کے نتیجے میں نفاذ شریعت اسلامی کا پودا جڑ پکڑ چکا تھا۔ نفاذ شریعت کے اثرات اور برکات کا ظہور اگرچہ ابھی پورے طور پر نہیں ہوا تھا' معاشی خوشحالی اور نعمتوں کی فراوانی کا وہ فرحت بخش منظر اگرچہ ابھی تک سامنے نہیں آ سکا تھا کہ جس کی نوید نفاذ شریعت کے لازمی نتیجے کے طور پر قرآن حکیم میں سنائی گئی ہے' تاہم شریعت کے نفاذ اور نظام خلافت کے قیام کا ایک بہت بڑا ثمرہ ''قیام امن'' کی صورت میں چشم عالم کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ طالبان نے نفاذ شریعت کی برکت اور اللہ کی خصوصی تائید و نصرت سے اس خطے میں مثالی امن و امان قائم کرنے کا بے مثال اعزاز حاصل کیا جو قبل ازیں بیس پچیس برسوں سے بحرانوں کی آماجگاہ اور بدنظمی و خونریزی کا نشان بنا ہوا تھا۔ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد ''دیوانہ اٹھ گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری'' کے مصداق افغانستان کے ریگزاروں' بیابانوں اور سنگلاخ سرزمین میں افراتفری اور کشت و خون کا جو بازار گرم ہے اسے تمام عالمی طاقتیں اپنی تمام تر حسن تدبیر کے باوجود بھی ٹھنڈا کرنے اور کنٹرول کرنے سے قاصر ہیں۔

طالبان حکومت کا وقتی طور پر خاتمہ نہ افغانوں کے حق میں کسی خیر کا موجب بن سکتا ہے' نہ پاکستان کے لئے اسے ہرگز نیک شگون قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہاں بھی جوتیوں میں دال بٹنے کا عمل شروع ہو چکا ہے اور یہاں بھی اس کے نحس اثرات جہاد کشمیر کے خاتمے اور آزاد کشمیر سے محرومی کے شدید اندیشے کی صورت میں سامنے آ چکے ہیں۔ افغانستان پر امریکہ کی ناروا جارحیت کے ضمن میں امارتِ اسلامی افغانستان کو تہہ و بالا کرنے کے عمل میں دشمنانِ اسلام کے ساتھ معاونت و حمایت پر مبنی ہماری سرکاری ''حکیمانہ پالیسی'' رنگ لا رہی ہے۔ ''جہل خرد'' نے ہمیں یہ دن دکھائے ہیں کہ ہماری پوری مشرقی سرحد پر دشمن جدید اور بھاری اسلحے کے ساتھ براجمان ہے تو مغربی سرحد بھی انتہائی غیر محفوظ ہے۔ اگر ہم نے اب بھی انفرادی اور اجتماعی توبہ اور اصلاحِ احوال کا راستہ نہ اپنایا تو شاید تقدیرِ مبرم کی مانند مسلط عذابِ الٰہی کو ٹالا نہ جا سکے۔ ○○

درس ۲۱

اہل ایمان کے لئے

ابتلاء وامتحان سے گزرنا لازمی ہے!

سورۃ العنکبوت کے پہلے رکوع کی روشنی میں

(۱)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿ الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۞ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۞ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ط سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۞ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ط وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۞ وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۞ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۞ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا ط وَاِنْ جَاھَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا ط اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّھُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۞ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰہِ جَعَلَ فِتْنَۃَ النَّاسِ کَعَذَابِ اللّٰہِ ط وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّکَ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّا کُنَّا مَعَکُمْ ط اَوَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ ۞

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۞ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ط وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ط اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۞ ۞ ..... صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

ان آیات مبارکہ کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''الٓمّٓ کیا لوگوں نے یہ خیال کیا تھا کہ وہ محض یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا۔ درآنحالیکہ ہم نے آزمایا ہے اُن کو جو ان سے پہلے تھے' پس اللہ ضرور ظاہر کرے گا سچے ایمان والوں کو اور انہیں بھی ظاہر کر دے گا جو (اپنے دعوائے ایمان میں) جھوٹے ہیں۔ کیا برے عمل کرنے والوں کا یہ گمان ہے کہ وہ ہماری گرفت سے بچ نکلیں گے؟ بہت ہی بری رائے ہے جو انہوں نے قائم کی ہے۔ جو کوئی بھی اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہے اسے جان لینا چاہئے کہ اللہ کا مقرر کردہ وقت آ کر رہے گا اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور جو کوئی جہاد کرتا ہے تو وہ اپنی جان (کی بھلائی) کے لئے ہی جہاد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم لازماً دور کر دیں گے ان سے ان کی برائیاں اور ہم لازماً انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دیں گے۔ اور ہم نے انسان کو وصیت کی والدین سے بھلائی اور حسن سلوک کی۔ (لیکن) اگر وہ تجھ سے جھگڑیں (اور مجبور کریں) کہ تُو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے جس کے لئے تیرے پاس کوئی علم نہیں ہے تو ان کا کہا مت مان۔ میری ہی طرف تم سب کو لوٹنا ہے' پھر میں تمہیں جتلا دوں گا جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہم ضرور داخل کریں گے انہیں صالحین میں۔ اور لوگوں میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے لیکن اللہ کی راہ میں جب انہیں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی طرف سے ڈالی ہوئی اس آزمائش سے یوں گھبرا اٹھتے ہیں جیسے اللہ کے عذاب سے گھبرانا چاہئے۔ اور اگر آ جائے مدد تیرے ربّ کی طرف سے تو وہ

لازماً یہ کہیں گے کہ ہم بھی تمہارے ہی ساتھ تھے۔ تو کیا اللہ نہیں جانتا جو کچھ لوگوں کے سینوں میں چھپا ہے۔ اور اللہ تو لازماً ظاہر کر دے گا اُن کو جو واقعتاً مؤمن ہیں اور واضح کر دے گا ان کو کہ جو حقیقتاً منافق ہیں۔ اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ ہماری پیروی کرتے رہو اور ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھالیں گے۔ حالانکہ وہ نہیں ہیں اٹھانے والے ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی۔ یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ اور وہ لازماً اٹھائیں گے اپنے بوجھ بھی اور اپنے ان بوجھوں کے ساتھ کچھ مزید بوجھ بھی۔ اور ان سے لازماً باز پرس ہوگی قیامت کے دن اس جھوٹ کے بارے میں جو وہ باندھ رہے تھے۔''

یہ ہے ان آیات مبارکہ کا ترجمہ۔ ابتداء سے محسوس ہو رہا ہے کہ اندازِ کلام کچھ تیکھا ہے۔ اس کے پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ ایک حدیث اس کی بڑی صحیح وضاحت کرتی ہے۔

پس منظر

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا گیا' مکی دور کے ابتدائی تین چار سال ایسے تھے کہ جن میں سردارانِ قریش' جنہیں قرآن حکیم نے ''ائمہ کفر'' قرار دیا ہے' اس خیال میں رہے کہ ع ''چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی'' اور یہ کہ ہمارے اس نظام باطل کو کوئی حقیقی خطرہ درپیش نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس دعوت کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کی' اس کے استہزاء اور تمسخر کا معاملہ کیا' لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ بات آگے بڑھ رہی ہے' ہمارے نوجوان اس دعوت کو قبول کر رہے ہیں' ہمارے غلاموں کے طبقے میں اس دعوت کا نفوذ ہو رہا ہے' تب وہ چونکے کہ ع ''نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے!'' ان حالات میں جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے وہ اپنی پوری قوتِ مدافعت کو مجتمع کر کے حملہ آور ہوئے۔ اس حملے نے تشدد اور تعذیب (persecution) کی شکل اختیار کی۔ دو طبقات اس تشدد کا سب سے زیادہ نشانہ بنے۔ ایک غلاموں کا طبقہ' جن کا نہ تو کوئی پرسانِ حال ہی تھا اور نہ ہی ان کے کوئی حقوق تھے' وہ تو اپنے آقاؤں کی ایسی ملکیت تھے جیسے بھیڑ اور بکری' کہ جب چاہا اسے ذبح کر دیا اور جو چاہا ان کے ساتھ سلوک کیا۔ لہٰذا اس بہیمانہ تشدد کا سب سے زیادہ

شکار وہی لوگ ہوئے جو غلاموں کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح آلِ یاسر جو اگرچہ غلام نہیں تھے لیکن باہر سے آ کر شہر میں آباد ہونے کی وجہ سے اجنبی تھے' کوئی ان کا پشت پناہ' حامی اور مددگار نہ تھا۔ اس لئے ابوجہل نے انہیں بدترین تشدد اور اپنے بہیمانہ انتقامی جذبات کا ہدف بنایا۔ چشمِ تصور سے دیکھئے اُمیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر اوندھے منہ لٹا کر گھسیٹ رہا ہے' جبکہ سورج نصف النہار پر چمک رہا ہو اور آگ اگل رہا ہو۔ پھر ان کے سینے پر ایک بھاری سل بھی رکھ دی جاتی تھی۔ یہ تھا وہ اذیت ناک سلوک جو ان غلاموں اور بے یار و مددگار لوگوں کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تشدد کی جو حدیں توڑی گئیں اس کی ایک مثال اس واقعہ میں دیکھئے کہ ایک مرتبہ آگ جلائی گئی' دہکتے ہوئے انگارے زمین پر بچھا دیئے گئے اور حضرت خبابؓ کو ننگی پیٹھ ان انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ کمر کی کھال جلی' چربی پگھلی اور اس سے بتدریج وہ انگارے سرد ہوئے!! تشدد کا یہ سلسلہ مسلسل تین چار سال تک اپنے پورے نقطۂ عروج پر رہا۔

اس دور کا ایک واقعہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سناتے ہیں کہ جب یہ مصائب ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو گئے تو ایک روز ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ اُس وقت کعبے کے سائے میں اپنی چادر کا ایک تکیہ سا بنائے ہوئے استراحت فرما رہے تھے۔ ہم نے جا کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی مدد کب آئے گی (اب ہمارا پیمانۂ صبر لبریز ہونے کو ہے اور برداشت کی انتہا ہو گئی ہے)۔ حضرت خبابؓ فرماتے ہیں اس پر حضور ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپؐ کے چہرۂ مبارک پر قدرے ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! تم سے پہلے لوگ اللہ کی راہ میں مصائب اور شدائد میں یہاں تک مبتلا کئے گئے کہ توحید کا علَم تھامنے کی پاداش میں ان میں سے کسی کو گڑھا کھود کر آدھے دھڑ تک گاڑ دیا جاتا اور پھر ایک آرا اس کے سر پر رکھ کر اسے چیرنا شروع کرتے یہاں تک کہ اس کا پورا جسم دو حصّوں میں تقسیم ہو جاتا لیکن پھر بھی وہ لوگ توحید

پر کاربند رہتے اور راہِ حق سے ہٹنے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوہے کی کنگھیوں سے لوگوں کے جسموں کو اس طرح مجروح کیا گیا کہ ان کی ہڈیوں پر سے گوشت کھرچ ڈالے گئے اور ایسا بھی ہوا کہ آگ کے الاؤ جلائے گئے اور ان میں زندہ انسانوں کو جھونک دیا گیا۔ تم پر تو ایسی کوئی مصیبت نہیں پڑی (تم لوگ جلدی مچا رہے ہو)۔ وہ وقت آ کر رہے گا کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے سوائے اللہ کے اور کسی کا خوف نہ ہوگا''۔

کسی قدر خفگی کا یہ انداز جو اس حدیث مبارکہ سے سامنے آتا ہے' وہی اسلوب یہاں سورۃ العنکبوت کی ابتداء میں جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ گویا ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

تم نے اسے پھولوں کی سیج سمجھا تھا حالانکہ یہ وہ راستہ ہے جس میں آزمائشوں کی خاردار جھاڑیاں قدم قدم پر موجود ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں اللہ کی جانب سے اظہارِ خفگی یقیناً موجود ہے تاہم یہ بات ذہن میں رکھئے کہ جیسے کسی استاد یا مربی کا اپنے زیرِ تربیت تلامذہ کے ساتھ ہمیشہ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ ڈانٹتا ہے تو کبھی دلجوئی بھی کرتا ہے' اور کبھی ہمت بڑھانے کے لئے شاباش بھی دی جاتی ہے اور کبھی زیرِ تربیت شخص کی طرف سے ذرا کم ہمتی کا مظاہرہ ہو یا اس سے کسی کمزوری یا تقصیر کا صدور ہو رہا ہو تو پھر زجر و توبیخ بھی ہوتی ہے' ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام لینا پڑتا ہے' اسی طرح اللہ جو سب کا حقیقی مربی ہے' وہ اپنے بندوں کے حق میں یہ دونوں صورتیں استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس ڈانٹ میں بھی ایک شفقت ہوتی ہے' وہ محبت سے خالی نہیں ہوتی۔ وہ عتاب درحقیقت محبت آمیز ہوتا ہے۔ تربیت کے عمل میں یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ تربیت کا یہی اسلوب سورۂ عنکبوت کے اس پہلے رکوع میں بہت نمایاں ہے۔

آیات کی تشریح

اس رکوع کی پہلی آیت جو سورۂ عنکبوت کی بھی پہلی آیت ہے' حروفِ مقطعات پر مشتمل ہے۔ ان کا مفہوم و معنی کیا ہے؟ ہمارے اس منتخب نصاب میں چونکہ حروفِ

مقطعات کا ذکر پہلی بار آ رہا ہے لہٰذا ان کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔ تاہم یہاں صرف اسی قدر سمجھ لیجئے کہ ان کے حتمی اور یقینی معنی کوئی نہیں جانتا۔ یہ ایک راز ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے مابین۔ کہنے والوں نے بہت کچھ کہا ہے ان کے مفہوم کی تعیین میں عقل و خرد کے گھوڑے دوڑائے گئے ہیں، ظن و تخمین سے بھی بہت سی باتیں کہی گئیں لیکن حق بات یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ہی ان کی اصل مراد سے واقف ہیں۔

اگلی آیت پر نظر کیجئے: ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا.....﴾ کہ کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے انہیں چھٹکارا مل جائے گا، جہنم سے نجات حاصل ہو جائے گی اور جنت میں داخلہ ہو جائے گا، صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے۔ یہاں یہ بات نوٹ کیجئے کہ مسلمانوں سے براہِ راست خطاب کی بجائے صیغہ غائب میں ان سے گفتگو ہو رہی ہے۔ یوں نہیں فرمایا کہ ''اے مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھا تھا.....'' بلکہ فرمایا ''کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا.....'' یہ اجنبیت اور غیریت کا انداز ہے جو درحقیقت خفگی اور ناراضگی کو واضح کرنے کے لئے بڑا ہی لطیف پیرایہ ہے۔

ذرا اس پس منظر میں اپنا جائزہ لیجئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں! آج کے مسلمان کی سوچ کیا ہے؟ انہوں نے تو پھر بھی دعوتِ ایمان کو شعوری طور پر قبول کیا تھا۔ اگر ''اٰمَنَّا'' کہا تھا تو اپنے کچھ آبائی عقائد کو چھوڑ کر کہا تھا، ایک انقلابی قدم اٹھایا تھا۔ گویا ایک طرح کا مجاہدہ اور ایثار کیا تھا اور ایک ہم ہیں کہ بس ایک متوارث مذہبی عقیدے کی بنیاد پر مسلمان ہیں، عمل کا خانہ بالکل خالی ہے، یقینِ قلبی کی دولت سے محروم اور عملی اعتبار سے دین و مذہب سے کوسوں دور، لیکن سمجھے یہ بیٹھے ہیں کہ ہم تو بخشے بخشائے ہیں، جنت ہمارا پیدائشی حق ہے، فوز و فلاح تو ہمیں ہی ملنی ہے۔ اس پس منظر میں ذرا اس آیۂ مبارکہ کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے!

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾

''کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے محض یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا!''

کیا ان کی جانچ پرکھ نہیں ہوگی، انہیں ٹھوک بجا کر نہیں دیکھا جائے گا کہ کتنے پانی میں

ہیں' کیا واقعی ایمان ان کے دلوں میں جاگزیں ہو چکا ہے یا یہ صرف مُنہ کا پھاگ ہے جو کھیلا جا رہا ہے؟ فتنے کا لفظ اس سے پہلے سورۂ تغابن میں بھی آ چکا ہے: ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ فتنہ عربی میں کسوٹی کو کہتے ہیں جس پر گھس کر کھرے اور کھوٹے کی پہچان کی جاتی ہے' جس پر سونے کو رگڑ کر یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ زرِ خالص ہے یا اس میں کھوٹ شامل ہے' اور اگر کھوٹ شامل ہے تو کتنا ہے۔ اللہ کی راہ میں یہ مشکلات و مصائب' یہ تکالیف و آلام' یہ ایذائیں اور یہ قربانیاں' یہ سب درحقیقت کسوٹی کے درجے میں ہیں جن پر تمہیں پرکھا جا رہا ہے۔ یہ تمہارے ایمان کا ٹیسٹ ہے' یہ سب تمہارے ایمان کی صداقت کا ثبوت فراہم کرنے کا ذریعہ ہیں!!

اللہ کی مستقل سنّت

اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کہ ہماری تو یہ سنت ثابتہ ہے' ہمارا تو یہ مستقل طریقہ اور قاعدہ رہا ہے کہ جس نے بھی ایمان کا دعویٰ کیا ہم نے اسے جانچا اور پرکھا' اسے امتحانات اور آزمائشوں سے دوچار کیا تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ اس طرح ہم نے کھرے کو کھوٹے سے ممیّز کیا اور سچے کو جھوٹے سے ممتاز کر دکھایا۔ ﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۝﴾ لفظی ترجمہ تو یہ ہوگا ''اللہ ان کو جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور ان کو بھی جان کر رہے گا جو جھوٹے ہیں۔'' لیکن چونکہ علمِ الٰہی قدیم ہے' اللہ کو کسی چیز کے جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' وہ علم از خود اور وقوع سے پہلے اسے حاصل ہے لہٰذا یہاں اس سے مراد ہوگی کہ اللہ ظاہر کر دے گا' کھول دے گا' اصل حقیقت کو بے نقاب کر دے گا۔ یہاں نوٹ کیجئے کہ الفاظ ایسے لائے گئے ہیں کہ عربی زبان میں تاکید کے لئے اس سے اوپر اور کوئی اسلوب نہیں ہے۔ فعل مضارع سے قبل لام مفتوح اور اس کے آخر میں نون مشدد۔ ''لَيَعْلَمَنَّ'' یہ گویا تاکید کا آخری اور انتہائی انداز ہے جو عربی زبان میں مستعمل ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ ضرور واضح کرے گا' لازماً کھول کر رکھ دے گا کہ کون لوگ سچے ہیں اور کون جھوٹ موٹ کا دعوائے ایمان کر رہے ہیں۔ یہاں لفظ ''صَدَقُوْا'' کو بھی خاص طور پر نوٹ کیجئے۔ آیۂ بر بھی اسی پر ختم ہوئی تھی: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۞ اسی طرح سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ کا اختتام بھی اسی لفظ پر ہوا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞﴾ گویا صادق القول اور مخلص مسلمانوں کو جھوٹے اور دغاباز مدعیانِ ایمان سے ممیّز و ممتاز کرنا درحقیقت آزمائش کا اصل مقصود ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴

یہ مضمون قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر آیا ہے اور اسی شان اور اسی گھن گرج کے ساتھ آیا ہے۔ اسی طرح کان کھول کر سنایا گیا ہے کہ ابتلاء اور آزمائش تو لازماً آئے گی۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ط مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ ط اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ ۞﴾

''اے مسلمانو! کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے' حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ (حضرت خبابؓ بن الارت کے حوالے سے جو حدیث ابھی بیان ہوئی تھی' یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل اسی آیۂ مبارکہ کی ترجمانی ہے کہ وہ کٹھن مراحل اور بڑے بڑے امتحانات تو ابھی اس راہ میں تمہیں درپیش ہی نہیں ہوئے۔) ان پر فقر و فاقے کی سختیاں آئیں' اور بہت سی جسمانی تکالیف انہیں جھیلنی پڑیں اور وہ ہلا ڈالے گئے (جھنجھوڑ دیئے گئے)' یہاں تک کہ پکار اٹھے (چیخ اٹھے) وقت کے رسول اور ان کے ساتھی اہل ایمان کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اس وقت انہیں بتایا گیا کہ) آگاہ رہو' اللہ کی مدد قریب ہے۔''

یہ ہے امتحان و آزمائش کی وہ کسوٹی جس کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔

ایمان کی اس راہ میں قدم رکھو تو ذہنی طور پر تیار ہو کر آؤ کہ آزمائشوں اور امتحانات سے گزرنا ہوگا۔ تکالیف اور مصائب تو اس راہ کے سنگ میل ہیں اور یہ سب

چیزیں اہل ایمان کو جانچنے اور مزید نکھارنے کا ذریعہ ہیں۔ بادِ مخالف کی تندی سے گھبرا اٹھنے کی بجائے اسے خوش آمدید کہنا چاہئے کہ ع یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے۔

سورۂ آل عمران اور سورۂ توبہ کی آیات

یہی مضمون سورۂ آل عمران میں ان الفاظ میں وارد ہوا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۴۲)

''کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر ہی نہیں کیا (جانچا ہی نہیں) کہ کون ہیں تم میں سے وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کون ہیں جو صبر کا دامن تھامے رہتے ہیں۔''

سورۃ الحج کے الفاظ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾ ذہن میں لائیے۔ ''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے''۔ اور اسی میں اہل ایمان کے ایمان کی آزمائش مضمر ہے کہ کون ہیں جو اس کے نام پر اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کرنے کو حقیقی کامیابی سمجھتے ہیں جیسے کہ ایک صحابی نے شہید ہوتے وقت کہا تھا: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ''ربِّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا''۔ سورۂ توبہ میں اس مضمون کو دیکھئے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ط وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (التوبة:۱۶)

''کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تو یہ دیکھا ہی نہیں کہ کون ہیں تم میں سے وہ لوگ کہ جو جہاد کا حق ادا کرتے ہیں اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور سچے مؤمنوں کے سوا کسی اور کو اپنا بھیدی نہیں بنایا (جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے تمام دُنیوی تعلقات پر خط تنسیخ پھیر سکتے ہیں) اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

تو بالکل اسی انداز سے سورۂ عنکبوت شروع ہوئی:

﴿الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۞ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ

ابتلاء و آزمائش کی حکمت

اللہ کی راہ میں ابتلاء و آزمائش کی سب سے پہلی حکمت یہاں واضح کر دی گئی ہے کہ کسی بھی انقلابی جدوجہد کے لئے جو اس اہم کام کے لئے کھڑی ہو رہی ہو' یہ بات ضروری ہے کہ اس میں تطہیر ہوتی رہے' وقتاً فوقتاً چھانٹی ہوتی رہے۔ صرف مذہبی سطح پر انسانوں کی بھیڑ جمع ہو تو وہاں چھانٹی کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر نصب العین انقلابی ہو' اقامت دین کی جدوجہد درپیش ہو' کسی غلط نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر نظام حق کو برپا کرنا اور غالب و نافذ کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے جس قسم کی جماعت درکار ہو گی اس میں چھانٹی کا عمل ضروری ہو گا تاکہ کچے اور ناپختہ لوگ جھڑتے چلے جائیں اور صرف پختہ کار سرفروش' کہ جو دین کی راہ میں تن من دھن نثار کرنے والے ہوں' اس جماعت کی ریڑھ کی ہڈی بن سکیں۔ اسی تطہیر کے عمل سے معلوم ہو گا کہ کون کتنے پانی میں ہے' کون واقعتاً اللہ کو ماننے والا اور آخرت کا یقین رکھنے والا ہے' کون واقعتاً اللہ اور اس کے رسول کو ہر معاملے میں مقدم رکھنے والا ہے' کون ہے جو اس ترازو پر پورا تل رہا ہے جو سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ کے حوالے سے آئی تھی کہ ''اے نبی! لوگوں سے کہہ دیجئے: اگر تمہیں اپنے باپ اور اپنے بھائی اور اپنے بیٹے اور اپنی بیویاں اور اپنے رشتہ دار اور اپنے وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور اپنے وہ کاروبار جو بڑی محنت سے جمائے ہیں اور جن میں اب مندے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور اپنے وہ مکان جو تمہیں بہت محبوب ہیں' اگر یہ سب محبوب تر ہیں اللہ سے اور اللہ کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے تو جاؤ' انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے' اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

یہ چھانٹی' یہ تمیز اور یہ تطہیر کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے' یہی اصل غرض و غایت ہے ان ابتلاؤں اور آزمائشوں کی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے' اس کے اذن کے بغیر ایک پتا تک جنبش نہیں کرتا' ابوجہل کی کیا مجال کہ وہ آل یاسرؓ کو ستا سکے! اُمیہ بن خلف کی کیا جرأت کہ وہ اللہ کے ایک سچے پرستار' ایک مؤحد بندے بلالؓ

کو اس طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کر سکے!!..... یہ جو کچھ ہوا اذنِ ربّ سے ہوا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اللہ ان کٹھالیوں میں سے گزار کر تمہیں زرِ خالص بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری تربیت' تمہاری پختگی' تمہارے ایمان کا ثبوت' تمہارے اندر عزم اور ہمت اور ولولے کو اوجِ کمال تک پہنچانا یہ وہ غرض اور مقصد ہے جس کے تحت یہ مصیبتیں' ایذائیں' تکالیف' ابتلائیں اور آزمائشیں اہلِ ایمان کو درپیش ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ راہِ حق میں استقامت عطا فرمائے۔

مسلمانوں کے لئے تسلّی و تشفی کے کلمات

ان دو آیات میں اس گھبراہٹ پر کہ جو بعض مسلمانوں کی طرف سے اللہ کی راہ میں ایذاؤں' تکلیفوں اور مصیبتوں کے ضمن میں ظاہر ہوئی تھی' اللہ کی جانب سے کسی قدر خفگی کا اظہار نمایاں تھا۔ لیکن اب اگلی آیت میں ان کی تسلّی' دلجوئی اور تشفی کے ضمن میں ان کفار و مشرکین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو انہیں ستا رہے تھے اور جن کے ہاتھوں انہیں ایذائیں پہنچ رہی تھیں' فرمایا جا رہا ہے کہ کیا ان بدبختوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے! ابوجہل نے جو حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو برچھا مار کر شہید کیا اور اس نے حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اس طور سے شہید کیا کہ چار مضبوط و توانا سانڈ اونٹ لے کر' ان چاروں سے رسے باندھ کر' ان میں سے ایک رسے سے حضرت یاسرؓ کا ایک بازو' دوسرے سے دوسرا بازو' تیسرے سے آپؓ کی ایک ٹانگ اور چوتھے سے دوسری ٹانگ باندھی گئی اور پھر ان چاروں اونٹوں کو جو دوڑایا گیا تو حضرت یاسرؓ کے جسم کے پرخچے اڑ گئے' اُمیہ بن خلف جو حضرت بلالؓ کو ستا رہا تھا اور حضرت خبابؓ بن ارت کو جو ایذائیں دی جا رہی تھیں' یہ آیۂ مبارکہ ان کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ۝﴾

"کیا ان لوگوں نے جو اِن برائیوں میں مبتلا ہیں (کہ ہمارے چاہنے والوں کو ستا رہے ہیں) یہ گمان کیا ہے کہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے؟ بڑی بری رائے

ہے جو وہ قائم کرتے ہیں۔''

اس میں دراصل کفار و مشرکین سے تخاطب نہیں ہے۔ بات ان سے کہنی مقصود ہی نہیں ہے' بلکہ درحقیقت یہ مسلمانوں کو سنایا جا رہا ہے اور اس طرح ان کے زخمی دلوں پر گویا ہمدردی کا پھاہا رکھا جا رہا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ تمہیں ایذائیں دینے والے یہ مشرکین ہماری گرفت سے بچ نکلیں گے' یہ تو ہماری حکمت کے تحت ہے کہ ہم نے ان مشرکین کی رسی دراز کی ہوئی ہے۔ اس ذریعے سے دراصل تمہاری آزمائش مقصود ہے۔ تمہیں ان آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزار کر کندن بنانا ہے۔ اسی لئے ابھی ہم نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔ لیکن اگر وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہماری پکڑ سے بچ نکلیں گے تو وہ بڑے مغالطے میں ہیں۔ تم مطمئن رہو' ان میں سے ہر ایک کو اپنے کئے کی بھرپور سزا مل کر رہے گی۔ اگلی آیت میں مزید تسلی اور دلجوئی کے لئے فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ﴾

کہ جو کوئی اللہ سے ملاقات کا امیدوار ہے تو وہ جان لے کہ اللہ کا معین کردہ وہ وقت آ کر رہے گا۔ اشارہ اہل ایمان کی طرف ہے کہ تم یہ سب تکالیف جھیل رہے ہو اللہ سے ملاقات کی اُمید میں' اس اُمید میں کہ ایک دن آئے گا کہ اپنے پروردگار سے کہ جو تمہارا مطلوب و مقصود ہے اور جس کی خاطر تم یہ تکالیف اٹھا رہے ہو' تمہاری ملاقات ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کر دے کہ کیا خبر وہ دن آئے گا بھی کہ نہیں!..... مطمئن رہو' اللہ کا وہ مقرر کیا ہوا وقت آ کر رہے گا۔ وہ گھڑی اٹل اور شدنی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کسی وسوسے کو ذہن کے قریب مت پھٹکنے دو' تمہارا اجر محفوظ ہے۔ اور جان لو ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ کہ جس کے لئے تم یہ سب کچھ جھیل رہے ہو وہ کوئی بے خبر ہستی نہیں ہے' وہ معاملہ نہیں ہے کہ مر گئے ہم انہیں خبر نہ ہوئی' وہ سمیع (سب کچھ سننے والا) اور علیم (سب کچھ جاننے والا) ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی نگاہوں میں ہے۔ بلالؓ کی زبان سے نکلنے والا کلمۂ توحید' اس حال میں کہ پیاس کی شدت سے زبان باہر نکلی ہوئی ہے' دھوپ کی تمازت کی وجہ سے جان لبوں پر آئی ہوئی ہے' لیکن کلمۂ توحید ہی نکل رہا ہے اَحد' اَحد' کہ میں تو ایک اللہ ہی کا ماننے

والا ہوں' اسی کا پرستار ہوں' اس کے سوا کسی اور کو معبود ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ان کی زبان سے نکلنے والا یہ کلمہ اللہ سن رہا ہے۔ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ تمہارے دلوں سے جو صدائیں نکل رہی ہیں ان کا بھی جاننے والا ہے۔ تو پہلی دو آیات میں کسی قدر زجر' جھڑکی اور خفگی کا اظہار تھا اور اس کے بعد دو ہی آیات میں صحابہ کرامؓ کے لئے تسلی' تشفی اور دلجوئی کا انداز اختیار کیا گیا۔

جہاد' اللہ پر احسان نہیں ہے!

اگلی آیت میں سختی کا رنگ پھر جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ کان کھول دینے کے انداز میں فرمایا:

﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ﴾

کہ کوئی جہاد کرتا ہے تو وہ جان لے کہ وہ اپنے ہی بھلے کو جہاد کرتا ہے۔ یہ خیال ہرگز دل میں نہ آئے کہ وہ اللہ پر کوئی احسان کر رہا ہے' اس جدوجہد اور ایثار و قربانی کا تمام تر فائدہ خود اسی کو پہنچے گا۔

یہاں ''جہاد'' کا لفظ خصوصی طور پر توجہ کے لائق ہے۔ اس لئے کہ یہ سورت بالاتفاق مکّی ہے اور اس کا زمانۂ نزول سن پانچ یا چھ نبوی بنتا ہے۔ ہجرتِ حبشہ کے موقع پر یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی' بلکہ ہجرت کی طرف اشارہ اور رہنمائی اسی سورۃ میں موجود ہے۔ لیکن یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد کا ذکر نہایت اہتمام کے ساتھ آیا ہے: ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ﴾ حالانکہ قتال فی سبیل اللہ کا مرحلہ تو ابھی آٹھ نو برس کے بعد آنے والا تھا۔ یہ کشمکش اور یہ جدوجہد اس وقت Passive Resistance (صبرِ محض) کے دور میں تھی۔ مسلمانوں کو حکم تھا کہ ڈٹے رہو' قائم رہو' ماریں کھاؤ لیکن مدافعت میں بھی ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔ اس کے باوجود اس صورت حال کو جہاد کا نام دیا گیا۔ یہ جدوجہد اور یہ Struggle ہے اپنے مسلک اور اپنے ایمان کے لئے' اپنے عقائد اور اپنے نظریات کے لئے۔ ثابت کر دو کہ تم ثابت قدم ہو اور اس کے لئے ہر شے کو قربان کر سکتے ہو' ہر بازی کھیل سکتے ہو' لیکن کبھی بھولے سے بھی دل میں یہ خیال نہ آئے کہ تم اللہ پر' اس کے دین پر یا اس کے نبی ﷺ پر کوئی احسان کر رہے ہو۔ اللہ تو

بے نیاز ہے' اللہ کو کوئی احتیاج نہیں' وہ غنی ہے تمام جہانوں سے۔

اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تمہارے اس جہاد و مجاہدہ' صبر و مصابرت اور ایثار و قربانی کا سارا نفع تمہی کو پہنچنے والا ہے ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ﴾ ۔ چنانچہ اس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ تمہاری سیرت پختہ ہوگی' تمہارا کردار کندن بنے گا بلکہ تمہارے ایمان و عمل کو جلا حاصل ہوگی' آخرت میں تمہیں اس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ اور جنت کی نعمتیں نصیب ہوں گی۔ لہٰذا اللہ کی راہ میں جہاد و مجاہدہ اس خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے کرو کہ یہ میں اپنا کام کر رہا ہوں' اللہ پر اور اس کے نبی ﷺ پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔ یہ مضمون یہاں بڑے تیکھے انداز میں آیا ہے: ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہ جو کوئی جہاد کرتا ہے' دین کی راہ میں سرفروشی کا مظاہرہ کرتا ہے' وہ اپنے ہی فائدے کے لئے یہ سب کچھ کرتا ہے' اللہ کو کسی کی کوئی احتیاج نہیں ہے' وہ تمام جہانوں سے غنی اور بے نیاز ہے۔ اسی مضمون کا دوسرا رخ اس سے قبل سورۃ الحجرات میں ہمارے زیر مطالعہ آیا تھا:

﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

''(اے نبیؐ) یہ آپ پر احسان دھر رہے ہیں اپنے اسلام کا۔ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا کوئی احسان نہ دھرو' بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی راہ بھائی اگر تم سچے ہو!''

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

کہ بادشاہ کی خدمت کا تمہیں اگر کوئی موقع ملا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ اس پر تمہارا کوئی احسان ہے بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں اپنی خدمت کا موقع دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے بھی اللہ نے اپنے دین کی خدمت کی توفیق دی ہے اسے اللہ کا احسان مند ہونا چاہئے کہ اس نے اسے اپنی خدمت کے لئے قبول فرما لیا ہے۔

اطمینانِ قلب کے لئے ایک عظیم بشارت

اگلی آیت میں ایک بار پھر ہمت بندھانے کا انداز ہے۔ چنانچہ اہل ایمان کی تسلی، تشفی اور قلبی اطمینان کے لئے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان سے ہمارا پختہ وعدہ ہے کہ ہم لازماً ان سے ان کی برائیوں کو دور کر دیں گے اور ہم لازماً ان کے اعمال کا بہترین بدلہ انہیں عطا کریں گے۔

نوٹ فرمالیجئے کہ یہاں ایمان کے ساتھ ''عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' اسی طرح جڑا ہوا آرہا ہے جیسے کہ ہمارے پہلے سبق یعنی سورۃ العصر میں تھا: ﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ .....اگر ایمان ہے اور عمل صالح نہیں ہے، بلکہ ایمان کا بھی صرف اقرار باللسان والا پہلو ہو یعنی صرف قانونی ایمان موجود ہو تو اس کا فائدہ بس اتنا ہی ہوگا کہ دنیا میں مسلمان سمجھ لئے جاؤ گے لیکن اللہ کے ہاں کسی کا واقعتاً مؤمن قرار پانا کچھ اور شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ ہاں وہ ایمان اگر یقین بن کر دل میں جاگزیں ہو گیا ہو اور اس کے عملی تقاضے انسان پورے کر رہا ہو تب اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ: ﴿لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ انتہائی تاکیدی انداز ہے کہ ایسے لوگوں سے ہم ان کی برائیوں کو لازماً دور کر دیں گے اور ان کی محنت و کاوش کا بھرپور صلہ انہیں عطا فرمائیں گے۔

یہ مضمون تقریباً انہی الفاظ میں سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات میں بھی آچکا ہے:

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾

''پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

''حیرت انگیز قرآن''

تحریر: گیری ملر

ترجمہ: خالد آفتاب

قرآن پاک کو حیرت انگیز صرف مسلمانوں ہی نے قرار نہیں دیا جو کہ اس کی داد وصول کرتے ہیں اور اس پر خوشی اور فخر محسوس کرتے ہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی اس کو حیرت انگیز کتاب کا نام دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جو اسلام سے بہت زیادہ نفرت کرتے ہیں' ابھی تک اس کو حیرت انگیز قرار دیتے ہیں۔

وہ غیر مسلم جنہوں نے قرآن پاک کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا ہے' ان کو جو چیز حیران کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں ان کو وہ کچھ نظر نہیں آیا جس کی وہ توقع کرتے تھے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ ایک پرانی کتاب ہے جو کہ آج سے چودہ سو سال قبل عرب کے صحرا سے آئی تھی' یعنی کہ صحرا کی پرانی کتاب۔ پھر انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ اس کے بالکل مشابہ نہیں ہے جس کی وہ اُمید رکھتے تھے۔ سب سے پہلی چیز جو یہ لوگ خیال کرتے تھے وہ یہ کہ چونکہ یہ پرانی کتاب صحرا سے آئی ہے اِس لئے اس میں جو بھی باتیں ہوں گی وہ صحرا ہی سے متعلق ہوں گی۔ اچھا' قرآن پاک نے صحرا کے متعلق جو بھی ذکر کیا ہے وہ اس کا ایک چھوٹا سا عکس ہے' لیکن یہ تو سمندروں کے متعلق بھی ذکر کرتا ہے۔ کیا سمندر میں طوفان کا ذکر اس میں نہیں ہے؟

کچھ سال قبل ٹورانٹو (کینیڈا) میں ہمارے سامنے ایک ایسے شخص کی کہانی آئی جو کہ بحری (سمندری) تاجر تھا اور اس نے سمندر میں رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ ایک مسلمان نے اس کو قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے کے لئے دیا۔ وہ شخص تاریخ اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا' لیکن اس کو قرآن پاک پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ ترجمہ پڑھنے

کے بعد جب وہ اس کو واپس کرنے کے لئے اس مسلمان کے پاس گیا تو اس نے پوچھا کہ کیا محمد (ﷺ) ملاح تھے؟ وہ اس بات سے بے حد متاثر تھا کہ کس طرح قرآن پاک نے ہو بہو سمندر میں طوفان کو بیان کیا ہے۔ جب اس مسلمان نے اسے بتایا کہ نہیں، درحقیقت محمد ﷺ تو صحرا میں رہتے تھے تو اس کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے عین اسی وقت اسی جگہ پر اسلام قبول کر لیا۔ وہ قرآن پاک کی اس وضاحت سے اس قدر متاثر ہوا، کیونکہ وہ سمندر میں طوفان کو دیکھ چکا تھا اور خیال کرتا تھا کہ جس نے بھی یہ وضاحت بیان کی ہے وہ بھی سمندر کے طوفان میں رہتا ہوگا۔ لہر کے اوپر ایک اور لہر اور اس کے اوپر بادل ﴿مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ﴾ یہ کوئی تصوراتی چیز نہیں ہے اور نہ ہی سمندر میں طوفان کی اتنی وضاحت کوئی خیال! بلکہ یہ جس کسی نے بھی لکھا ہے وہ یہ جانتا تھا کہ سمندری طوفان حقیقت میں کس طرح کا ہوتا ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے کہ قرآن پاک کسی خاص جگہ یا وقت کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ یقینی طور پر سائنسی نقطہ نگاہ بھی اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ یہ کتاب آج سے چودہ سو سال قبل صحرا سے آئی ہوئی محسوس ہی نہیں ہوتی۔

بہت صدیاں پہلے جب حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا آغاز ہوا اُس وقت ایٹم کے مشہور نظریئے کو ایک یونانی فلاسفر ڈیموکرائیٹس نے پیش کیا۔ وہ اور اس کے بعد آنے والے بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ مادہ ناقابل تقسیم اور ناقابل فنا چھوٹے چھوٹے ذرات پر مشتمل ہے جن کو ایٹم کہا جاتا ہے۔ عرب بھی بالکل یہی نظریہ رکھتے تھے۔ درحقیقت عربی لفظ ''ذرّہ'' بھی مادے کے ایسے سب سے چھوٹے ٹکڑے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جس کو انسان جانتا تھا۔ اب جدید سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ مادے کے اس چھوٹے سے ذرّے کو، جو کسی بھی عنصر کی تمام خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، مزید چھوٹے حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پچھلی صدی کی تحقیق کا یہ بالکل ایک نیا نظریہ تھا لیکن حیرت انگیز طور پر یہ معلومات پہلے ہی قرآن پاک کے اندر لکھی ہوئی موجود ہیں۔ یعنی قرآن پاک کے مطابق اللہ تعالیٰ کو ان تمام چھوٹے ذرّوں اور ان

سے بھی چھوٹے ذرّوں کا علم ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کے اندر پائے جاتے ہیں۔ یقینی طور پر یہ بیان آج سے چودہ سو سال پہلے غیر معمولی محسوس ہوتا ہوگا' حتیٰ کہ ایک عربی شخص کے لئے بھی ذرّہ اُس وقت سب سے چھوٹی چیز تھی۔ درحقیقت یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن پاک پرانا نہیں ہے۔

ایک اور مثال ان کے لئے جو قرآن پاک کو پرانا سمجھتے ہیں' وہ یہ کہ قرآن پاک میں جو صحت بخش ادویات کے بارے میں ذکر ہے ان کے مطابق یہ پرانے ٹوٹکے اور قصے ہیں۔ بہت سے تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحت اور صفائی کے بارے میں کچھ نصیحتیں کی تھیں جبکہ ان میں سے بہت سی نصیحتیں قرآن پاک میں نہیں ہیں۔ غیر مسلم سب سے پہلے اس کو بہت بڑی بھول اور لاپروائی تصور کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مفید معلومات کو قرآن پاک میں کیوں شامل نہیں کیا۔ مسلمانوں نے ان معلومات کو شامل نہ کرنے کی وضاحت مندرجہ ذیل دلائل سے کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نصیحتیں اس دور کے لئے جس میں وہ رہتے تھے' مضبوط اور قابلِ عمل تھیں۔ اللہ تعالیٰ جو کہ بے انتہا خوبیوں کا مالک ہے یہ جانتا تھا کہ بعد میں آنے والے وقت میں جدید طبی اور سائنسی تحقیقات نبی کریم ﷺ کی نصیحتوں کو پرانا قرار دے سکتی ہیں اور جب نئی ایجادات سامنے آئیں تو ہوسکتا ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ یہ معلومات ان کے برعکس ہیں جن کا ذکر تمہارے نبی ﷺ نے کیا تھا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ غیر مسلموں کو کوئی بھی ایسا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے وہ یہ بات ثابت کرسکیں کہ قرآن پاک بذاتِ خود نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے برعکس ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے اندر صرف ان معلومات اور مثالوں کو واضح کیا ہے جو کہ وقت کے ہر دور میں صحیح ثابت ہوسکیں۔

تاہم اگر کوئی شخص قرآن پاک کے درست حقائق کے ساتھ اس کو ایک مقدس آسمانی صحیفہ مانتے ہوئے اس کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے دلائل میں جتنی بھی غلطیاں

ہیں اسی وقت واضح اور قابل فہم ہو جاتی ہیں اور وہ یقینی طور پر اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ قرآن پاک ایک مقدس آسمانی صحیفہ ہے اور اسی طرح اس میں موجود تمام معلومات اس کے مقدس نزول کو ظاہر کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ہے جو کہ اپنی تمام تر تخلیقات سے پہلے موجود تھا اور نہ کوئی چیز اس قرآن میں داخل ہو سکتی ہے نہ اس میں سے تفریق ہو سکتی ہے اور نہ ہی تبدیل ہو سکتی ہے۔ درحقیقت قرآن پاک موجود تھا اور نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے ہی مکمل تھا۔ لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کا اپنی طرف سے ایک بھی لفظ یا نصیحت شامل ہو۔ اس قسم کی معلومات کا قرآن پاک میں شامل ہونا واقعی طور پر اس مقصد کے برعکس ہے جس کے لئے قرآن پاک کو نازل کیا گیا۔ اس قسم کی باتیں قرآن پاک کی اتھارٹی اور ایک مقدس آسمانی صحیفہ ہونے کو غیر مستند قرار دے سکتی تھیں۔ نتیجتاً قرآن پاک میں کوئی بھی ایسا گھریلو علاج نہیں ہے جس کو کہ قدیم قرار دیا جا سکے اور نہ ہی قرآن حکیم میں کسی انسان کا ذاتی نقطۂ نظر شامل ہے کہ کون سی چیز صحت کے لئے فائدہ مند ہے، کون سی خوراک کے طور پر بہتر ہے یا کون سی چیز اس مرض کے لئے بہتر علاج ثابت ہوگی۔ دراصل قرآن حکیم نے صرف ایک چیز کا ذکر کیا ہے جس کا تعلق طبی علاج سے ہے اور اس پر کسی بھی شخص کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ شہد میں شفا ہے اور یقینی طور پر کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کو اس بات پر اعتراض ہو۔

اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے کہ قرآن پاک کسی شخص کے ذہن کی اختراع ہے تو اس شخص سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ بتائے کہ اس شخص کے دماغ میں کیا تھا جو اس نے اس کتاب کو ترتیب دیا۔ اصل میں کچھ انسائیکلو پیڈیا اور کچھ کتابیں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ قرآن پاک (نعوذ باللہ) ایک وہم کی خیالی پیداوار ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کو ہوا کرتا تھا۔ اگر یہ دعوے سچے ہیں اور یہ واقعی نبی اکرم ﷺ کے نفسیاتی مسائل کا نتیجہ ہے تو اس کی کوئی ایک شہادت تو قرآن پاک سے ملنی چاہئے۔ کیا اس میں کچھ اس طرح کی

شہادت ملتی ہے؟ اس بات کی سچائی کو جاننے کے لئے اس کو سب سے پہلے اس بات کی نشان دہی کرنی چاہئے کہ جس نے یہ کتاب لکھی اس وقت اس شخص کے ذہن میں کیا بات تھی اور پھر ان خیالات اور غور و فکر کو قرآن پاک میں تلاش کرنا چاہئے۔

یہ بات ہر شخص کے علم میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے انتہائی مشکل زندگی بسر کی۔ ان کے تمام بچے سوائے ایک بیٹی (حضرت فاطمۃ الزہراءؓ) کے اور ان کی بیوی (حضرت خدیجہؓ) جن سے وہ بہت محبت کرتے تھے ان کی آنکھوں کے سامنے وفات پا گئے اور وہ وقت ان کی زندگی کا مشکل ترین وقت تھا۔ درحقیقت وہ ایک مکمل عورت تھیں، کیونکہ جب نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپؐ سیدھے گھر میں ان کے پاس تشریف لائے اور یقینی طور پر آج کل بھی جب کبھی کوئی عربی پریشان ہوتا ہے، اگر آپ اس سے پوچھیں تو وہ بتائے گا کہ میں کسی وجہ سے پریشان ہوا تو میں سیدھا گھر گیا اور جا کر اپنی بیوی سے پریشانی کے متعلق بات کی۔ اگرچہ حضرت محمد ﷺ ان جیسے نہیں تھے، تاہم جب انہوں نے اپنی بیوی سے بات کی تو آپؐ نے اپنے آپ کو کافی حد تک پرسکون محسوس کیا۔ وہ کس قدر بااثر اور مضبوط خاتون تھیں۔ حالانکہ یہ مثالیں صرف ان چند موضوعات کے بارے میں ہیں جو کہ حضرت محمد ﷺ کے ذہن میں ہو سکتی تھیں، لیکن یہ میرے نقطۂ نظر کی شدت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ قرآن پاک ان میں سے کسی بھی بات کا تذکرہ نہیں کرتا۔ نہ ان کے بچوں کی وفات کا، نہ ان کے محبوب ساتھیوں کی وفات کا، نہ ان کی بیوی کی وفات کا اور نہ ہی پہلی وحی کے واقعے کا جس میں انہوں نے اتنے خوفناک طریقے سے اپنی بیوی کو شریک کیا۔ یقیناً ان موضوعات نے ضرور حضرت محمد ﷺ کو دلی صدمہ پہنچایا ہوگا، پریشان کیا ہوگا اور ان کی نفسیاتی پریشانیوں کے ادوار میں تاسف اور رنج و ملال کا باعث بنے ہوں گے۔ (اگر یہ قرآن حضرت محمد ﷺ نے ترتیب دیا ہوتا تو) پھر یہ موضوعات اور ان جیسے بہت سے دوسرے موضوعات کا نقطۂ نظر یا کم از کم تھوڑا بہت اظہار قرآن پاک میں ضرور ہونا چاہئے تھا۔

قرآن پاک تک ایک حقیقی سائنسی رسائی ممکن ہے کیونکہ جو چیز قرآن پاک پیش کرتا ہے باقی الہامی کتابیں پیش نہیں کرتیں۔ بالخصوص یا بالعموم یہی وہ چیز ہے جس کی سائنس دانوں کو ضرورت تھی۔ اب یہاں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے پاس نظریات اور خیالات ہیں کہ کائنات کیسے کام کرتی ہے۔ یہ لوگ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں لیکن سائنس دانوں کا طبقہ ان کو سننے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتا۔ یہ اس لئے کیونکہ پچھلی صدی میں سائنس دانوں کے طبقے نے ضرورت محسوس کی کہ مغالطے کو پرکھنے کا کوئی معیار ہونا چاہئے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کے پاس کوئی نظریہ ہے تو آپ کو اس وقت تک ہمیں زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہے جب تک آپ یہ بات ثابت نہیں کر دیتے کہ آپ کا نظریہ غلط ہے یا درست۔

یہ معیار بالکل درست تھا' کیونکہ سائنس دانوں کے طبقے نے آئن سٹائن کی بات کو سنا۔ گزشتہ صدی کے شروع میں وہ ایک نئے نظریئے کے ساتھ آیا اور کہا کہ مجھے یقین ہے کہ کائنات اس طرح کام کرتی ہے اور میں اس نظریئے کو تین طریقوں سے ثابت کر سکتا ہوں۔ کیا اب میں غلط ہوں؟ پھر سائنس دانوں نے اس کے نظریئے کو آزمایا اور چھ سال کے عرصے کے بعد انہوں نے اس نظریئے کو درست تسلیم کیا۔ یقیناً یہ بات اس سے ثابت نہیں ہوتی کہ وہ ایک عظیم انسان تھا بلکہ اس نے یہ ثابت کیا کہ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو سنا جا سکے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ یہ میرا خیال ہے اور اگر آپ مجھے غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ضرور کریں۔ مغالطے کو پرکھنے کا بالکل یہی معیار ہے جس کو قرآن پاک نے پیش کیا۔ کچھ باتیں پہلے ہی درست ثابت ہو چکی ہیں اور کچھ ابھی تک ہو رہی ہیں۔ بنیادی طور پر قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ اگر یہ کتاب وہ نہیں ہے جس کا یہ دعویٰ کرتی ہے تو تم سب لوگ یہ ثابت کرو کہ یہ غلط ہے۔ یقیناً چودہ سو سال سے اب تک کوئی بھی اس قابل نہیں تھا اور نہ ہو گا جو اس کو غلط ثابت کر سکے اور اُس وقت سے اب تک یہ سچی اور مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر آپ کا کسی غیر مسلم سے تنازعہ ہو جائے اور وہ

یہ دعویٰ کرے کہ وہ سچا ہے اور تم اندھیرے میں ہو تو آپ تمام دوسرے دلائل چھوڑ دیں اور سب سے پہلے اس کو ایک مشورہ دیں اور پوچھیں کہ تمہارے مذہب میں مغالطے کو پرکھنے کا کوئی معیار ہے؟ اور اگر کوئی ہے تو اس سے ثابت ہوگا کہ تم غلط ہو۔ اور میں یہ ثابت کرتا ہوں کہ ان لوگوں کے پاس ایسی کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ کوئی ثبوت' کوئی طریقہ' کچھ بھی نہیں ہے کہ جس کو یہ پیش کر سکیں کہ وہ کس بات پر یقین رکھتے ہیں' بلکہ وہ دوسروں کو یہ پیشکش کرتے ہیں کہ کوئی ان کو غلط ثابت کرے۔ تاہم اسلام میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ قرآن پاک کی چوتھی سورت میں ایک مکمل مثال موجود ہے کہ کس طرح قرآن پاک انسان کو اپنے مستند ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے' اور بالکل پوری ایمان داری کے ساتھ۔ مَیں حیران رہ گیا تھا جب میں نے پہلی بار قرآن پاک کے اس دعوے کو دریافت کیا۔ یہ بیان کرتا ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا﴾ (النساء: ۸۲)

''کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے نازل ہوا ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔''

یہ غیر مسلموں کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ بنیادی طور پر یہ دعوت دیتا ہے کہ کوئی غلطی نکالے۔

قرآن پاک کا ایک اور دلچسپ رویہ ہے کہ پڑھنے والے کو بار بار نصیحتیں کرنے سے متعلق ہے۔ قرآن پاک پڑھنے والے کو مختلف حقائق کے بارے میں مطلع کرتا ہے اور پھر اس کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم اس کے متعلق مزید جاننا چاہتے ہو یا جو اس نے کہا تمہیں اس کے متعلق کوئی شک ہے تو تمہیں ان لوگوں سے معلوم کرنا چاہئے جو کہ اس کا تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ یہ بھی ایک حیرت انگیز انداز ہے۔ یہ کوئی عام کتاب نہیں ہے جو کہ ایسے ہی کسی کی طرف سے آئی ہو بغیر جغرافیہ' نباتات یا علم حیاتیات کی تربیت کے کہ جس کسی نے ان مضامین کا ذکر کیا اور پھر پڑھنے والے کو نصیحت کی کہ اگر اس کو کسی چیز کے بارے میں شک ہو تو وہ ان لوگوں سے پوچھے جو زیادہ علم رکھتے ہیں۔

یقیناً ہر دور میں مسلمانوں نے قرآن پاک کی نصیحتوں پر عمل کیا اور حیرت انگیز ایجادات کیں۔ اگر کوئی چند سو سال پہلے مسلمان سائنس دانوں کے کام کی طرف دیکھے تو وہ اس کو قرآن پاک کے حوالوں سے بھرپور دیکھے گا۔ وہ اپنے کام کو اس دعوے سے مستحکم کرتے ہیں کہ انہوں نے اس چیز پر تحقیق کی جس کی طرف قرآن پاک نے اشارہ کیا۔ مثال کے طور پر قرآن پاک مطالعہ کرنے والے کو انسان کی ابتداء کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس پر تحقیق کرو۔ یہ پڑھنے والے کو اشارہ دیتا ہے کہ اس چیز کی طرف دیکھو اور پھر بیان کرتا ہے کہ اس کو اس کے متعلق بہت کچھ وہاں سے ملے گا۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کو آج کل کے مسلمان نظر انداز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں' لیکن ہمیشہ سے نہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل مثال سے واضح ہے۔

کچھ سال پہلے لوگوں نے جن کا تعلق ریاض (سعودی عرب) سے تھا' قرآن پاک کی ایسی تمام آیات اکٹھی کیں جن کا تعلق ایمبریالوجی سے ہے (یعنی رحم کے اندر انسان کی نشوونما کس طرح ہوتی ہے)۔ انہوں نے سوچا کہ یہاں قرآن پاک کیا کہتا ہے اور کیا یہ درست بھی ہے؟ المختصر انہوں نے قرآن پاک کی آیات اکٹھی کیں جیسے کہ وہ تھیں اور ٹورانٹو یونیورسٹی (کینیڈا) کے ایمبریالوجی کے ماہر غیر مسلم پروفیسر کو بھجوا دیں۔ اس کا نام کیتھ مور (Keth More) ہے اور وہ اس مضمون میں دنیا کا ماہر اور ایمبریالوجی کی بہت سی کتابوں کا مصنف ہے۔ بعد میں انہوں نے اس کو ریاض بلایا اور کہا کہ آپ کے مضمون کے متعلق ہمارا قرآن پاک یہ بیان کرتا ہے' کیا یہ حقیقت ہے؟ اور آپ اس کے متعلق ہمیں کیا سکتے ہیں؟ جب وہ ریاض میں تھا تو انہوں نے اس کی ہر اس طریقے سے مدد کی جس کی اس کو ترجمے میں ضرورت پڑی اور اس کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا جو بھی اس نے چاہا۔ جو کچھ اس کو قرآن پاک میں ملا وہ اس پر اتنا حیران ہوا کہ اس نے اپنی تحریر شدہ کتابوں کو تبدیل کر دیا اور اپنی کتابوں کے دوسرے ایڈیشن میں اس نے وہ سب کچھ شامل کیا جو کہ اس کو قرآن پاک میں ملا جو کہ پہلے ایڈیشن میں نہیں تھا۔ کتابوں کے نام:

۱) Before we are born (اس سے پہلے جب ہم پیدا ہوئے)
۲) History of Embryology (ایمبریالوجی کی تاریخ)

یہ واقعہ اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ قرآن پاک ہمیشہ اپنے وقت سے آگے تھا اور وہ لوگ جو قرآن پاک پر ایمان لائے یہ جانتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے۔

مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میں نے ٹیلی ویژن پر پیش کرنے کے لئے ڈاکٹر کیتھ مور کا انٹرویو لیا۔ ہم نے اس موضوع پر بہت زیادہ باتیں کیں اور اس کو سلائیڈز کے ذریعے اور بہت سے دوسرے طریقوں سے پیش کیا گیا۔ اس نے وہ بہت سی چیزیں واضح کیں جن کے بارے میں قرآن پاک نے انسان کی نشو ونما کے متعلق ذکر کیا ہے۔ ابھی مزید ۳۰ سال تک ان کے بارے میں پتہ نہیں چلایا جا سکتا تھا۔ اصل میں اس نے بالخصوص ایک چیز کے متعلق ذکر کیا۔ قرآن پاک نے انسان (کی تخلیق کے ایک مرحلے) کو ایک جگہ عَلَقَة سے تشبیہ دی ہے۔ (عَلَقَة عربی میں جونک کو کہا جاتا ہے) یہ بات اس کے لئے بالکل نئی تھی۔ اور جب اس نے اس پر تحقیق کی تو یہ بالکل درست تھا۔ وہ شعبہ زوآلوجی (علمِ حیوانات) میں گیا اور ان سے جونک کی تصویر کے متعلق پوچھا۔ جب اس نے جونک کی تصویر کو دیکھا تو وہ بالکل انسان کے ایک تخلیقی مرحلہ کی طرح تھی (جسے قرآن مجید نے عَلَقَة قرار دیا ہے۔) پھر اس نے دونوں تصویروں کو اپنی کتاب میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔

ڈاکٹر کیتھ مور نے طبی ایمبریالوجی پر بھی ایک کتاب لکھی تھی۔ جب اس نے اس بات کو ٹورانٹو میں پیش کیا تو اس نے پورے کینیڈا کو ہلا کے رکھ دیا۔ یہ خبر کینیڈا کے کچھ اخباروں میں شہہ سرخی میں شائع ہوئی اور ان میں یہ شہہ سرخی بہت عجیب سی تھی جیسا کہ ایک اخبار میں یہ کہ ''پرانی کتاب میں ایک حیرت انگیز چیز کی دریافت''۔ اس مثال سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ لوگ اس کتاب کے متعلق کچھ بھی صحیح نہیں جانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اخباری رپورٹر نے ڈاکٹر کیتھ مور سے پوچھا کیا آپ یہ نہیں سوچتے

کہ ہوسکتا ہے کہ عرب ایمبریو کی وضاحت' اس کی شکل' اس میں آنے والی تبدیلیاں' اور اس کی نشوونما کے بارے میں پہلے ہی جانتے ہوں؟ ہوسکتا ہے کہ وہ سائنس دان نہ ہوں لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہی طور پر اس کی کچھ ادھوری سی وضاحت تیار کر لی ہو۔

پروفیسر نے اسی وقت اس رپورٹر کو جواب دیا کہ وہ ایک اہم نکتے کو بھول گیا ہے کہ ایمبریو کی تمام وہ سلائیڈ جو اس نے دکھائی ہیں وہ تصویریں اس نے ایک انتہائی طاقتور خوردبین کی مدد سے حاصل کی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے' ہوسکتا ہے آج سے چودہ سو سال پہلے کسی نے ایمبریو کو دریافت کرنے کی کوشش کی ہو۔ پروفیسر نے کہا کہ قرآن پاک میں ایمبریو کی ظاہری وضاحت ایسی ہے' جبکہ وہ ایمبریو اب بھی اتنا چھوٹا ہے کہ اس کو انسانی آنکھ سے دیکھنا ممکن ہی نہیں' اس کے لئے ایک خوردبین کی ضرورت پڑے گی اور اس قسم کا آلہ زیادہ سے زیادہ دو سو سال پہلے وجود میں آیا۔ ڈاکٹر کیتھ مور نے طنز کرتے ہوئے کہا ہوسکتا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کسی کے پاس خفیہ طور پر ایک خوردبین ہو اور اس نے کسی بھی جگہ بغیر کوئی غلطی کئے اپنی تحقیق مکمل کی ہو' پھر اس نے یہ باتیں حضرت محمد ﷺ کو سکھائی ہوں اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا ہو کہ وہ باتیں اپنی کتاب میں شامل کر لیں اور اس نے اپنے اس آلے کو ضائع کر دیا ہو تا کہ یہ بات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک راز رہ سکے۔ کیا تم اس پر یقین کرو گے جبکہ تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ ہو کیونکہ یہ ایک احمقانہ سا نظریہ ہے؟ پھر جب اس صحافی نے پوچھا کہ آپ قرآن پاک میں ان باتوں کی وضاحت کس حوالے سے کریں گے تو ڈاکٹر کیتھ مور کا جواب تھا کہ یہ صرف ایک مقدس آسمانی صحیفہ ہی ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی عام شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن پاک میں ایمبریو سے متعلق جو وضاحت ہے وہ درست ہے تو کوئی بھی یقینی طور پر اس کی باتوں پر یقین نہیں کرے گا' تاہم اگر کوئی بڑے مقام والا لائق احترام مفکر اور محقق یہ بات کہے تو کوئی یہ بات ضرور سوچے گا کہ اگر اس نے اس مضمون پر تحقیق کی ہے اور اس تحقیق کی

بنیاد پر ایک نتیجے پر پہنچا ہے تو پھر اس کا یہ نتیجہ بالکل معقول اور جائز ہے۔

پروفیسر کیتھ مور کا ایک ساتھی مارشل جانسن جو کہ ٹورانٹو یونیورسٹی میں ماہر ارضیات ہے' وہ اس حقیقت کو سن کر بڑا حیران ہوا کہ قرآن پاک نے ایمبر یالوجی کے متعلق جو کچھ کہا وہ درست ہے۔ پھر اس نے مسلمانوں سے کہا کہ قرآن پاک میں وہ تمام باتیں اکٹھی کر دیں جن کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے۔ لوگ وہ تمام چیزیں دیکھ کر اور زیادہ حیران ہوئے' کیونکہ قرآن پاک میں ان تمام مضامین کی ایک وسیع تعداد موجود تھی۔ اور یقینی طور پر قرآن پاک کے ہر ایک مضمون کا مطالعہ کرنے کے لئے بہت بڑا وقت درکار ہے۔ یہ اتنا کچھ اس مقصد کی بحث کے لئے کافی ہے کہ قرآن پاک بہت سے موضوعات کے بارے میں بالکل واضح اور جامع نقطۂ نظر رکھتا ہے اور پڑھنے والے کو یہ نصیحت بھی کرتا ہے کہ وہ ان دعوؤں کی سچائی کی تصدیق کرے اور تحقیق کرے ان سکالرز کے ساتھ جو کہ ان مضامین کے ماہر ہیں۔ اور جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ واضح اور مستند طور پر ظہور میں آیا ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ: مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

انہیں میری راہ میں تکالیف پہنچائی گئیں اور انہوں نے قتال کیا اور جان قربان کر دی' میں لازماً دور کر دوں گا ان سے ان کی برائیوں کو۔ (ان کے نامۂ اعمال کے دھبے بھی دھو دوں گا اور ان کے دامن کردار کے داغ بھی صاف کر دوں گا) اور میں انہیں لازماً داخل کروں گا ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔''

(جاری ہے)

نظم قرآن: تاریخ و تحقیق

تحریر: احمد اقبال قاسمی

قرآن پاک علوم و معارف کا بحرِ بے کراں اور علم و حکمت کا ایسا خزانہ ہے جس کے موتی کبھی شمار نہیں کئے جا سکتے۔ ایک جہت سے وہ ایک سادہ سی کتابِ ہدایت ہے' جو انسانی زندگی کے لئے ایک جامع نظام پیش کرتی ہے اور زندگی کے ہر شعبہ اور ہر علم سے بحث کرتی ہے' مگر وہ رائج الوقت تقسیم علوم کے مطابق کسی خاص موضوع اور جزوی علم کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ اُس علمِ ہدایت کا مرقع ہے جو تمام علوم اور انسانی قافلہ ہائے افکار کو عدل اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھتا ہے۔ وہ ایسا خوان کرم ہے جس کی نعمتیں کبھی کم نہیں ہو سکتیں اور ایسا چشمہ حیات ہے جس کے سوتے کبھی خشک نہیں ہوتے۔ جتنی بار اِسے تدبر اور تفکر سے پڑھا جائے' رموز و عجائب اور لطائف کا انکشاف ہوتا رہتا ہے' جیسا کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہوا کہ:

((وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ))(۱)

''علماء کی طبیعت اس سے سیر نہیں ہوتی اور کثرتِ تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائب نہ ختم ہونے والے ہیں''۔

پھر ایک دوسری جہت سے غور کیا جائے تو یہ دنیا کی بہترین ادبی کتاب ہے۔ اس کا بالکل یگانہ' نیا اور منفرد اسلوب ہے جس کی کوئی نظیر ہے اور نہ مثیل۔ یہ اللہ کی کتاب ہے اور اس کے علم سے اتری ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی صفاتِ علم میں یکتا ہے' اس کی کتاب کا اسلوب بھی یگانہ ہے۔ ہم اسے الٰہی ادب کا عنوان دے سکتے ہیں۔ انسانی تصانیف میں ہر علم کا اسلوبِ نگارش جدا جدا ہوتا ہے۔ افسانہ نگاری اور تاریخ نویسی کا

اسلوب مواعظ وحکم سے مختلف ہوتا ہے جبکہ قانونی دساتیر کا انداز بیاں ماوراءِ طبیعیات کے مباحث سے یکسر علیحدہ ہوتا ہے۔ غرض ہر علم و ادب اپنا امتیازی اور جداگانہ طرزِ بیاں رکھتا ہے۔ قرآن حکیم میں احکام اور شرائع بھی ہیں' اَخلاقی اور معاشرتی تعلیمات بھی' امثال اور خطب بھی' مواعظ اور تاریخ بھی' معلومات غیبی بھی ہیں اور ابدی حقائق بھی' مگر قرآن اِن سب ہی اصنافِ علوم کو ایک کُل قرار دے کر گفتگو کرتا ہے اور زبان و ادب کا ایسا اسلوب اختیار کرتا ہے جو موضوعات کے اختلاف کے باوجود ایک سی یکسانیت رکھتا ہے اور کسی مرحلہ پر اس کی سحر طرازی' جاذبیت اور اثر آفرینی میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو جو سب سے بڑا تحفہ اور عظیم عطیہ بخشا ہے وہ قرآن حکیم ہے۔ اس عطیۂ ربّانی کے ساتھ جو خاص لگاؤ' محبت اور عشق کا مظاہرہ اِس امت نے کیا ہے دُنیا کی کسی قوم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت' مطالب کی وسعت' اس کے موضوعات کی گونا گونی' دین اور فن کے حسین امتزاج اور دل آویز پیکر نے ہر عہد کے علماء اور فضلاء کے احساسات کو ابھارا اور انہوں نے اس ابدی کتاب میں مخفی خزانوں سے پردے ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ قرونِ اولیٰ سے لے کر دورِ حاضر تک اِن گنت کتابیں قرآنی علوم و معارف پر لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ کسی نے لغات' لہجات اور مخارجِ حروف پر لکھا' کسی نے نحوی و صرفی خوبیوں اور صنائع و بدائع کو اپنا موضوع بنایا' کسی نے اصول دین' احکام اور قصص مرتب کر ڈالے' کسی نے اقسام' امثال اور تصویر فنی پر خامہ فرسائی کی اور کسی نے فصاحت اور بلاغت کے محاسن اور مخفی گوشوں کو اجاگر کیا۔ غرض قرآن حکیم کے معانی' مطالب اور ادبی پہلوؤں کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا جس پر قابل قدر لٹریچر تیار نہ کر لیا گیا ہو۔

علومِ قرآن کے اِن موضوعات میں اعجازِ بیان کو نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے' اگرچہ اعجازِ بیان قرآن پاک کی غایت نہیں ہے بلکہ کلامِ الٰہی کا لازمی وصف ہے۔ اس

اعجاز کے بیش بہا جلی اور خفی الوان ہیں جن کا ہر پہلو اپنا الگ رنگ اور جدا حسن رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک دلکش اور دقیق اعجاز قرآن کے اسلوب میں نظم کا اعجاز ہے۔ اہل فن اسے ایک مستقل علم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جسے وہ علم مناسبۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اس علم کا تعارف' ضرورت اور اہمیت پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ واللہ المستعان

علم مناسبۃ

مناسبت کے لغوی معنی مقاربت اور مشاکلت کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ علم ہے جو قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کی ترتیب میں نظم اور ان میں باہمی ربط و تعلق کی نوعیت اور حکمت سے بحث کرتا ہے [۲]۔ اس علم کی ضرورت اس حقیقت کے پیش نظر بڑھ جاتی ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں بلکہ توقیفی ہے' اس لئے آیات اور سورتوں میں نظم اور ارتباط کا سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں مناسبات اور روابط کبھی جلی ہوتے ہیں' کبھی خفی اور کبھی اخفی۔ پھر آیات میں باہمی جلی ربط زیادہ ہوتے ہیں اور خفی ربط کے مواقع کم ہوتے ہیں' جبکہ سورتوں کے مابین جلی ربط شاذ ہوتا ہے [۳]۔ سورتوں کے داخلی نظم میں زیادہ تر ایک مرکزی موضوع کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے' پھر جزئیات اور تفصیلات اس کے ساتھ مربوط اور متصل ہوتی ہیں۔

جزئیات میں نظم و ارتباط کی صورت کبھی یہ ہوتی ہے کہ بات ایک آیت سے مکمل نہیں ہوتی تو دوسری آیت سابقہ مضمون کی تکمیل' تفسیر یا بیان حصر اور استثناء کے لئے آتی ہے' یا دوسری آیت تعلیل یا استدراک کے لئے ہوتی ہے اور کبھی نظائر' امثال اور تشبیہہ یا تکرار کے قبیل سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ارتباط کی نوعیت کبھی مقابلہ اور مضادات کی ہوتی ہے' جیسے صفاتِ مؤمنین کے بعد صفاتِ مشرکین' آیاتِ ترغیب کے بعد آیاتِ ترہیب' آیاتِ کونیہ کے بعد آیاتِ توحید و تنزیہ' بعض جگہ استطراد یا حسن تخلص

کی صورت سامنے آتی ہے [۴]۔ کبھی پہلے عقل سے اپیل کی جاتی ہے اور پھر دل کو متوجہ کیا جاتا ہے اور احکام کے بیان کے بعد پند و موعظت کا درس دیا جاتا ہے۔ غرض جب کوئی آیت کسی دوسری آیت کے ساتھ ملائی جاتی ہے تو اس میں گونا گوں مناسبتیں ہوتی ہیں اور ہر ترکیب اور ترتیب اپنے اندر نظم کا ایک نیا جلوہ اور حسن و جمال کا نیا رنگ رکھتی ہے۔ سورتوں کے تمام مضامین اپنے مرکزی موضوع سے منسلک ہوتے ہیں' فواتح سور اور ان کے خواتم کے مابین بھی ربط ہوتا ہے۔ ان تمام وجوہ مناسبات کی معرفت سے قرآن حکیم کے اعجاز' بلاغت' معانی' نظمِ کلام اور عظمتِ اسلوب کا صحیح فہم اور شعور حاصل ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کا اسلوبِ بیان عربِ قدیم کی نہج سے مطابقت رکھتا ہے۔ قدماءِ عرب اپنے کلام میں ادباء متاخرین کی طرح کا نظم اور تسلسل ملحوظ نہ رکھتے تھے [۵]۔ وہ حذف' ایجاز اور اختصار کو اپنے کلام کی خوبی سمجھتے تھے۔ مفرد مضمون اور مستقل کلام کا طریقہ ان کے یہاں عام تھا۔ جزئیات کے بیان میں معنی خیز اشاروں سے کام لیتے اور ایماء کو تفصیل اور صراحت پر ترجیح دیتے تھے تاکہ تحییل مطلوبہ اثر خود حاصل کر لے۔ قرآن کریم کا طرزِ نگارش اسی نہج کا مظہر ہے اور ایسا ہونا طبعی اور فطری تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو ان کی اپنی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا جو عین مصلحت اور حکمت کے مطابق تھا۔

فکرِ نظم کا ارتقاء

شروع میں قرآنی مباحث بڑی حد تک تفسیری احادیث' آثار اور دالِ صحابہ تک محدود تھے جو فقہی احکام اور اسبابِ نزول سے متعلق ہوا کرتے تھے۔ بعد میں ان کا دائرہ وسیع ہوا اور لغت اور معانی پر گفتگو ہونے لگی۔ اسی طرح قصص قرآنی کی تشریح کے سلسلہ میں اسرائیلی مرویات بھی تفسیری ذخیرے کا حصّہ بنیں۔

بنو اُمیہ کے عہد میں جو کتب تصنیف ہوئیں ان میں نقل پر اعتماد نمایاں تھا۔ بنوعباس کے عروج کے ساتھ عرب و عجم کے اختلاط میں اضافہ ہوا تو مختلف ثقافتوں سے

عربی فکر متاثر ہوئی اور ادباء میں وسعت نظر اور عقلیت پسندی کا رجحان پیدا ہوا۔ اسی طرح اہل تفسیر بھی قرآن حکیم کے ادبی جمال اور بیانی و معنوی محاسن کو اجاگر کرنے کی طرف متوجہ ہوئے اور تفسیری کتب کی تصنیف کا انداز بدلا۔

شیخ حفنی محمد شریف کے بیان کے مطابق ابوعبیدہ معمر ابن المثنی (م ۲۰۹ھ) کی مجاز القرآن پہلی کتاب ہے جس نے فن تفسیر میں بیانی اور ادبی بحثوں کا دروازہ کھولا' جبکہ ابن ندیم وراق نے اس ضمن میں شیخ قطرب (اصمعی) کی کتاب کو پہلی تصنیف قرار دیا ہے جسے شیخ نے بعض قرآنی آیات کے مابین تعارض اور تناقص کے اشکالات دُور کرنے کے لئے لکھا تھا۔ اسی عہد کی ایک اور شخصیت فراء دیلمی (م ۲۰۷ھ) نے تفسیر معانی القرآن لکھ کر بیان اور وجوہ نظم کے ان مباحث کی لغوی جہت سے تکمیل کی' جس کا آغاز ابوعبیدہ نے کیا تھا[۶]۔ فراء دیلمی کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے مکمل تفسیر قرآن لکھی[۷]۔

تیسری صدی ہجری کے اوائل میں معتزلہ کے ایک امام ابراہیم نظام (م ۲۲۳ھ) نے اعجاز قرآن کی بحث میں دلیل صرفہ پیش کی جس کی تردید میں اس کے شاگرد جاحظ نے نظم القرآن لکھی[۸] اور قرآن کے اسلوب بلاغت کو معجزہ قرار دیا۔ غالباً جاحظ پہلے ادیب ہیں جنہوں نے قرآن کے بلاغی اعجاز پر کتاب لکھی[۹]۔ اس کی تائید میں اور ادیبوں نے بھی قلم اٹھایا۔ محمد بن اسحاق ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں ایسی دو کتب کا ذکر کیا ہے۔ ایک کتاب نظم القرآن مصنفہ ابن الاخشیہ اور دوسری کتاب نظم القرآن مصنفہ ابوعلی الحسن بن علی بن نصر[۱۰]۔ مگر اسی موضوع پر جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ ابن قتیبہ (م ۲۸۶ھ) کی تاویل مشکل القرآن[۱۱] ہے۔ ان تصانیف سے قرآن حکیم کے بیانی اعجاز کے دلائل میں بڑا اضافہ ہوا اور اس موضوع پر تالیفات کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علوم کی فن واری تقسیم کے خطوط اپنا نقش جما رہے تھے اور دوسرے علوم کی طرح قرآنی علوم میں بھی مختلف موضوعات پر

تصنیف وتالیف کا رجحان بڑھا۔

چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں محمد بن یزید الواسطی (م ۳۰۷ھ) نے اعجاز کے مستقل عنوان سے اپنی کتاب ''اعجاز القرآن'' پیش کی جو غالباً جاحظ کی کتاب نظم القرآن کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی تھی (۱۲)۔ اس تصنیف کے بعد یہ فکر عام ہوا کہ قرآن حکیم کا اصل اعجاز اس کے نظم اور اسلوب بلاغت میں ہے۔ الواسطی کے بعد ابوالحسن علی بن عیسیٰ الرمانی (م ۳۷۴ھ) کی کتاب "النکت فی اعجاز القرآن" سامنے آئی جس میں بلاغی اصولوں کو تفصیل سے پیش کیا گیا اور قرآنی آیات کی مثالوں سے اعجاز بلاغت کو ثابت کیا گیا۔ رمانی نے بلاغی اصولوں میں تاثیر نفوسی کے نکتہ کا اضافہ کیا اور اسے بلاغت قرآن کا اہم نکتہ قرار دیا (۱۳)۔

تیسری صدی ہجری کے آخر تک جو کتابیں معرض وجود میں آئیں ان میں اعجاز کی بحث ایک خاص نہج سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ قدیم عربی زبان وادب میں تنقید کی کچھ حدود تھیں۔ ان کے مطابق کسی تصنیفی کام کے فنی محاسن جانچنے کے لئے ہر جزو کا جداگانہ تجزیہ کیا جاتا تھا اور تحسین کلامِ کُل کی وساطت سے نہیں بلکہ جزو کی روشنی میں کی جاتی تھی۔ قرآن حکیم کے اعجازِ بلاغت کے اثبات کے لئے جو کتب لکھی گئیں ان میں بھی یہی انداز غالب رہا۔ مگر زبان وادب کی قدریں بدلتی رہتی ہیں' اسلوب اور طریق تعبیر ہر دَور میں یکساں نہیں رہتا' فصاحت و بلاغت کے سانچے بگڑتے اور سنورتے رہتے ہیں' البتہ ہر زبان کے ادب کی کچھ بنیادی قدریں ہوتی ہیں جنہیں زبان وادب کی روح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کا تعلق فکر کی وسعت' نظر کی گہرائی' زبان کی اثر انگیزی اور ادب کی لطافت سے ہوتا ہے۔ قرآن حکیم اقدارِ عالیہ کا مظہر کامل بھی ہے اور اسلوبِ قدیم کی خوبیوں کا جامع بھی۔ قدیم شعراء وخطباء کے کلام میں بلاغت کا یہ معیار نہ تھا کہ اس میں ہر جگہ جلی ربط اور مناسبت موجود ہو۔ ان کے یہاں حذوف اور ایجاز بہت عام تھا۔ وہ ایک بات کے بعد دوسری بات اس کی دلیل یا مثال' یا اس کے

نتیجے یا اس کی تکمیل اور استدراک کے طور پر لاتے تو اس رابطہ کو ظاہر کرنا ضروری نہ سمجھتے تھے۔ ان کا ذوق یہ تھا کہ ذہن جس قدر محذوفات کی تلاش میں رہے گا اسی قدر لطف حاصل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک قدیم ادب کے ذوق کا غلبہ رہا، مفسرین کے یہاں آیات اور سورتوں کے مضامین میں باہمی ربط کی وجوہ پر گفتگو کرنے کا رجحان ناپید تھا۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن نے جن لوگوں کو اوّل اوّل مخاطب کیا، وہ نزولِ آیات کے اسباب اور تاریخی پس منظر، حالات اور مسائل سے پوری طرح باخبر تھے۔ لطیف سے لطیف اشارات و کنایات کو سمجھنا ان کیلئے دشوار نہ تھا۔ ہر آیت کے محل اور مصداق تک پہنچ جاتے تھے۔ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے عہد تک ایسے ہی حالات رہے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے آخر تک کسی ادیب اور مفسر نے مناسباتِ آیات کے اظہار کی ضرورت محسوس نہ کی، مگر پھر یہ صورت باقی نہ رہی۔ ایک طرف اسبابِ نزول کی تفصیلات محفوظ نہ رہ سکیں (۱۴) اور اس کے نتیجہ میں کلام کی مخفی کڑیوں سے عدم واقفیت بڑھی اور اشکالات کا موجب ہوئی تو دوسری طرف عجمی علوم وفنون کے تراجم ہوئے جس سے تصنیف و تالیف کے فن میں تنوع پیدا ہوا اور نئے نئے انداز داخل ہوئے۔ ادب وزبان کے اسلوب اور تنقید کے اصول بدلے تو قرآن حکیم میں محاسن کی تلاش اجزاء کے ساتھ کُل کی روشنی میں بھی ہونے لگی اور آیات اور سورتوں میں باہمی مناسبات وروابط اور ان کے مجموعی سلسلہ پر غور وفکر کرنے سے دلچسپی پیدا ہوئی۔

چوتھی صدی ہجری کے ربع اوّل کے ایک محقق شیخ ابوبکر نیشاپوری (م ۳۲۶ھ) کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے آیات اور سورتوں میں مناسبات سے متعلق سوالات اٹھائے اور ان میں باہمی وجوہ اور حکمتوں پر بحث کا دروازہ کھولا اور اس جدید نہج سے قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے پر زور دیا اور آپ اہل عراق کی اس علم سے غفلت برتنے کی شکایت فرمایا کرتے تھے (۱۵)۔ اسی صدی کے آخر میں ابوالفرج احمد

بن مقری ہمدانی (م ۴۰۰ھ) نے اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب علم المناسبۃ کے نام سے تصنیف کی[۱۶]۔ پانچویں صدی میں امام عبدالقاہر جرجانی (م ۴۷۱ھ) نے دلائل الاعجاز لکھ کر ثابت کیا کہ بلاغتِ کلام کا اصل مرجع نظمِ کلام کے خصائص میں ہے۔ پھر چھٹی صدی ہجری کے دو ممتاز مفسرین نے اس فکر کو وسعت دینے میں خاص توجہ دی۔ ان میں سے ایک امام جاراللہ زمخشری (م ۵۳۷ھ) ہیں جنہوں نے مناسباتِ آیات کو بلاغتِ قرآنی کا جزو قرار دیا اور اس کے مخفی پہلوؤں کو اپنی کتاب تفسیر الکشاف میں بیان کیا[۱۷]۔ دوسرے محقق قاضی ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۳ھ) ہیں جو علم مناسبہ کو عظیم علم قرار دیتے ہیں اور وہ پہلے مفسر ہیں جو آیات میں اس درجہ ربط اور پیوستگی کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کُل ایک کلمۂ واحدہ کی مانند ہے جس میں آیات باہم وحدت بسیطہ کی طرح مربوط ہیں[۱۸]۔ مگر مناسبات کی بحث کو سب سے زیادہ پیش رفت اور اہمیت امام فخرالدین رازی (م ۶۰۶ھ) کی تفسیر مفاتیح الغیب سے حاصل ہوئی جس میں نظم اور روابط آیات پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور جملوں کی تقدیم و تاخیر، صیغوں کے اختلاف، الفاظ کے وصل اور فصل کے ذرا ذرا سے فرق سے بے شمار اسرار و رموز بے نقاب کئے۔ امام رازی پہلے امام ہیں جو ترتیب اور نظم آیات کو الفاظ و معانی کی طرح معجزہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جو لوگ قرآن کے اسلوب[۱۹] کو معجزہ مانتے ہیں، اس سے ان کی مراد ترتیب اور نظم آیات ہی کا اعجاز ہے۔ امام رازی اپنے پیش رو امام نیشاپوری کی طرح اپنے عہد کے مفسرین کی ملامت کرتے ہیں جو اپنی تنگیٔ نظر کے سبب اس علم کی قدر شناسی سے قاصر ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس باب میں اصل صورت حال کسی شاعر کے اس شعر کے مطابق ہے:

والنجم تستصغر الابصار رویته

والذنب للطرف لا للنجم فی الصغر [۲۰]

حضرت امام رازی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ قرآن حکیم کے اکثر لطائف اس کی

ترتیبات اور روابط میں ودیعت ہیں۔

اس موضوع پر دوسری اہم تصنیف آٹھویں صدی ہجری کے شیخ ابوجعفر بن زبیر غرناطی (م ۷۰۸ھ) کی ہے جس کا نام "البرھان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن" (۲۱) ہے مگر اسی فن پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے اہم کتاب نویں صدی کے امام برہان الدین بن عمر البقاعی (م ۸۸۵ھ) کی ہے۔ جس کا نام "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور" ہے۔ مصنف نے اس کتاب کی تصنیف پر ۱۴ سال صرف کئے تھے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ صادق الرافعی کے مطابق اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔ اسے وہ اسرار قرآن کا محیر العقول خزانہ قرار دیتے ہیں (۲۲)۔ اسی صدی میں ہمیں برصغیر میں علامہ علاؤالدین مھائمی کا نام ملتا ہے جنہوں نے مناسبات آیات ہی کے موضوع کو پیش نظر رکھ کر مکمل تفسیر قرآن مرتب فرمائی اور اس کا نام "تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان" رکھا۔ علامہ مھائمی نے اپنی تفسیر میں یہ التزام بھی فرمایا کہ ہر سورت سے پہلے آیت بسم اللہ کی تفسیر میں اس سورت کے مرکزی مضمون کو اجمالاً بیان کر دیا ہے۔ اپنی اس خصوصیت کے لحاظ سے یہ تفسیر بے مثل ہے، جیسا کہ حضرت مھائمی خود فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں ربط کلمات، نظم اور ترتیب آیات کے متعلق ایسے نکات اور لطائف جمع کر دیئے ہیں جو ان سے پہلے کسی کی دسترس میں نہ آ سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر خاص احسان فرمایا اور انہیں یہ توفیق بخشی کہ نظم قرآن کے مخفی گوشوں کو ظاہر کریں اور ان کے جمال اور اعجاز کو آشکار کریں (۲۳)۔

دسویں صدی ہجری میں حضرت علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے اس علم کی طرف خاص توجہ دی اور اس علم نے جو وسعت ان کے عہد تک اختیار کی تھی، اسے سمیٹنے کی اہم خدمت انجام دی۔ اس موضوع پر پہلے انہوں نے اسرار التنزیل لکھی، پھر مناسبات سور پر علیحدہ ایک کتاب "تناسق الدر فی تناسب السور" تحریر کی۔

"الاتقان فی علوم القرآن" میں بھی ایک مستقل باب اسی موضوع سے متعلق ہے جس میں مناسبات اور ارتباطِ آیات کے وجوہ اور اسباب کے متعلق اہم اور مفید ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

اس صدی کے دو اور مفسرین خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ایک مصر کے حضرت شمس الدین محمد بن الشربینی (م ۹۷۷ھ) ہیں جن کی تفسیر السراج المنیر ہے اور دوسرے حضرت ابوالسعود حنفی (م ۹۸۲ھ) ہیں۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنی تفاسیر میں ارتباطِ آیات پر خاص توجہ دی ہے۔

ان مفسرین کرام کے بعد ہماری نظر برصغیر پاک و ہند کے عظیم محقق امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ) پر رُکتی ہے جنہوں نے مناسبات اور نظم قرآن پر اصولی بحث اپنی نادرالوجود تصنیف "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں پیش کی ہے اور مناسبات کے سلسلہ میں آپ کا موقف ابن العربی اور امام فخرالدین رازی سے مختلف ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید جس دَور میں نازل ہوا اسی دور کی تصنیفی نکتہ سنجیوں اور تالیفی نزاکتوں کی رعایت اس میں کی گئی ہے' قرآن مجید میں ادباء متاخرین کے ادبی رجحانات اور تصنیفی قیود و شرائط کی تلاش بے سود ہے۔ کسی کتاب کے ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے اور ایک جملہ کا دوسرے جملہ سے' ایک باب کا دوسرے باب سے ظاہری ربط اور کھلی ہوئی مناسبات کا پایا جانا عہد جاہلی یا قدیم عرب کے یہاں بلاغت کا جزو اعظم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ شرطیں اور کتاب میں ادب کی یہ قدریں ادباء متاخرین کی پیدا کردہ ہیں۔ قرآن کے مخاطبِ اوّل عربِ قدیم ہیں' اندازِ بیان میں ان کی رعایت کی گئی ہے' اس لئے آیات قرآنی میں ہر جگہ ظاہری ربط اور کھلی ہوئی مناسبت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے"۔ پھر آپ یہ سوال قائم کرتے ہیں کہ "اگر پوچھا جائے کہ قرآن مجید میں ان مطالب و مفہوم کو بیان کرتے ہوئے ربط و ترتیب کا پورا پورا لحاظ کیوں نہ کیا گیا؟" اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ: "اگرچہ

خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے یہ کوئی بعید بات نہ تھی لیکن موجودہ اسلوب کے مطابق قرآن کو مرتب و مربوط نہ پیش کرنے میں ایک حکمت ہے اور وہ یہ کہ اسلوب بیان' ادب و زبان میں ان کی رعایت مطلوب تھی جو قرآن کے مخاطبِ اوّل تھے''(۲۴)۔ پھر آگے چل کر شاہ صاحب اس شبہ کا بھی ازالہ کرتے ہیں کہ کیا قرآنی تعلیمات کو ایسے اسلوب میں پیش کرنا بہتر نہ ہوتا کہ بعد کے ادوار میں اس کی بلاغت متاثر نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''شریعت کے اسرار و رموز کو جاننے والا اس بات سے واقف ہے کہ انسانوں کی تربیت میں کون کون سی چیزیں بیان کرنی چاہئیں' ساتھ ہی علوم پنج گانہ پر بھی اس کی نظر ہو تو یقیناً اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ قرآن میں ان علوم کو پیش کرنے کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس سے بہتر اور معیاری طریقے کا انتخاب ممکن نہ تھا۔''(۲۵) پھر آگے چل کر آپ یہ وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ'' قرآن کا اسلوب شروع سے آخر تک مکتوب یا پیغام کا سا انداز رکھتا ہے(۲۶)۔

شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ) کے بعد آپ کے فکر کی ترجمانی آپ کے فرزند شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) نے کی' اتباعِ شاہ ولی اللہ میں انہیں نظم اور ارتباطِ آیات سے خاص نسبت حاصل ہے۔ شاہ عبدالعزیز کی فارسی زبان میں تفسیر ''فتح العزیز'' لطائف و ظرائف اور ربط آیات کا اعلیٰ مخزن قرار دی جاتی ہے(۲۷)۔

اسی صدی میں بغداد کے مشہور عالم محمود آلوسی حنفی (م ۱۲۷۰ھ) نے اپنی تفسیر "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" مرتب فرمائی جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے اور سابقہ تفاسیر کے اہم مباحث کی جامع ہے۔ نظم و ارتباط کو بھی بہترین عبارت میں بیان کرنے پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ علامہ نے یہ کوشش فرمائی ہے کہ آیت سے متعلق کوئی علمی گوشہ تشنہ نہ رہے۔

جدید مصر کی تفسیر سے متعلق تصانیف میں ایک نیا رنگ ابھرا ہے جسے ہم ادبی اور اجتماعی اسلوب کا نام دے سکتے ہیں۔ اس طرزِ تفسیر کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اس میں

پُرکشش انداز میں ان مطالب ومعانی پر توجہ دی گئی ہے جو قرآن کا اصلی مقصود اور نصب العین ہے۔ پھر عالمِ انسانیت کے اجتماعی اور عمرانی مسائل پر قرآنی نصوص کا انطباق کیا گیا ہے۔ شیخ محمد عبدہ کو اس تفسیری مکتب فکر کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے[۲۸]۔ آپ کے تفسیری لیکچروں کو آپ کے شاگرد علامہ رشید رضا قلم بند کرتے تھے اور ''المنار'' میں شائع کرتے تھے۔ یہ سلسلہ سورۃ النساء تک ہی پہنچا تھا کہ محرم ۱۳۲۳ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ شیخ نے نظم قرآن سے متعلق محیر العقول حقائق کا انکشاف فرمایا اور ایسے اصول وضع فرمائے جس سے تفسیری رجحانات میں قابل قدر تبدیلی پیدا ہوئی۔ آپ کے منہاج کو آپ کے شاگرد رشید رضا (م ۱۳۵۴ھ) اور محمد مصطفیٰ مراغی (م ۱۳۳۵ھ) نے اپنی تفاسیر میں بڑی خوبی سے اپنایا۔ اس فن میں مکتبہ دیوبند کی درج ذیل چار اہم شخصیتوں نے اصولی خدمات انجام دی ہیں۔

۱) شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۴ھ) جنہوں نے مناسبات کی بعض دقیق اور مشکل وجوہ کا حل تلاش کیا اور اہم نکات کا اضافہ کیا۔ ابن العربی اور امام رازی کی طرح آپ قرآنی مفردات، ترتیب، ترکیب اور حقائق ومقاصد سب ہی وجوہ سے قرآن حکیم کے اعجاز کے قائل ہیں[۲۹]۔ اپنے موقف کی تائید میں آپ نے ''مشکلات القرآن'' تحریر فرمائی جسے آپ کے شاگرد مولانا یوسف بنوری نے کچھ اضافے کے ساتھ "یتیمة البیان لمشکلات القرآن" کے عنوان سے ادارہ مجلس علمی کی طرف سے شائع کیا۔

۲) مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) نے اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں روابط آیات وسور کو خاص اہمیت سے پیش کیا اور اس خاص موضوع پر آپ نے اردو میں ''سبیل النجاح''[۳۰] اور عربی میں "سبق الغایات فی نسق الآیات" کے عنوانات سے دو رسالے تحریر فرمائے اور سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک الگ الگ فصلوں میں ارتباطِ آیات پر ماخذ کے حوالوں کے ساتھ نافع اور مختصر گفتگو کی ہے۔ آپ نے

حکمت، لطائف اور معارف کے اتھاہ سمندر میں غواصی کر کے اس سے بیش بہا موتی حاصل کئے اور دوسروں کو بھی معرفت اور استنباط کا سلیقہ سکھایا۔ آپ کے خلیفہ مفتی محمد شفیع نے معارف القرآن اور مولانا ادریس کاندھلوی نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں آپ ہی کے نہج اور اصولوں کی روشنی میں مناسبات اور روابط کی بحثوں کو آگے بڑھایا اور انوکھی توجیہات اور نکات کا اضافہ فرمایا۔

۳) حضرت مولانا عبیداللہ سندھی (م ۱۳۶۵ھ) جو حکمت ولی اللہی کے امین تسلیم کئے جاتے ہیں، آپ نے قرآن حکیم میں نظم کے مسئلہ پر چالیس سال تک غور فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''میں نے شاہ ولی اللہ کی حکمت کی روشنی میں قرآن مجید کے چند مقاصد معین کئے ہیں، پھر اُن کے پیش نظر ہر سورت کے ایک خاص مرکزی مضمون کا تعین کیا ہے اور اس طرح سورتوں میں تسلسل قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا ہوں''[۳۱]۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے امالی تفسیر القرآن ہم تک آپ کے دو شاگردوں کے ذریعے پہنچے۔ آپ کے ایک شاگرد عبداللہ لغاری ہیں جو جزء عـــم کی تفسیر مسمی "المقام المحمود" کے جامع ہیں۔ آپ کے دوسرے شاگرد رشید موسیٰ جاراللہ ہیں جنہوں نے آپ کے امالی تفسیر القرآن مرتب کئے ہیں۔ ان کا ایک جزء جو سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ پر مشتمل ہے "الهام الرحمن فی تفسیر القرآن" کے عنوان سے مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کی تحقیق اور عنایت سے حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔ موسیٰ جاراللہ نے نظم القرآن کے سلسلہ میں "ترتیب السورة الكريمة فی النزول و المصاحف" لکھی ہے جو بھوپال بھارت سے شائع ہوئی۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے تفسیری کام پر ڈاکٹر منیر احمد مغل نے تحقیقی مقالہ لکھ کر جامعہ سندھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

۴) مولانا حسین علی (متوطن واہ بھچراں میانوالی، پنجاب) نے چالیس سال سے زائد عرصہ تک تفسیری موضوعات پر غور وفکر فرمایا۔ آپؒ کے تفسیری امالی آپ کے

شاگرد محمد نذر شاہ عباسی اور مولانا غلام اللہ خان نے مرتب کئے۔ ربط آیات وسور پر آپ کو خصوصی امتیاز اور مہارت حاصل ہے۔ اسی موضوع پر آپ کی یادگار تصنیف "بلغة الحیران فی ربط آیات الفرقان" ہے جس میں اوّل سورہ سے آخر تک علیحدہ علیحدہ ارتباط اور تناسب سے سیر حاصل بحث پیش کی گئی ہے اور نظم قرآن کی بحث میں ایک قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی تفسیر ''جواہر القرآن'' جسے آپ کے شاگرد غلام اللہ خان نے مرتب کیا ہے' حال ہی میں اس کا ایک جزء شائع ہوا ہے۔

اکابرین دیوبند کی ان اہم شخصیات کے علاوہ اسی مکتبہ فکر سے فیض یاب بعض دوسرے اصحاب نے بھی اس موضوع پر کام کیا ہے جن میں صوبہ سرحد ضلع مردان کے مولانا محمد طاہر مصنف "سمط الدُّرر فی ربط الآیات والسور وخلاصتها المختصر لمن اراد ان یتذکر او یتدبر" اور مولانا عبدالسلام بن عبدالرؤف مصنف "تنشیط الاذهان و مقدمة التبیان فی اصول تفسیر القرآن" قابل ذکر ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کی ماضی قریب کی ایک اور شخصیت مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۳۴۹ھ) ہیں جو نظم قرآن کے ماہر اور محرم راز تسلیم کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی عمر عزیز کے چالیس سال پوری جاں فشانی کے ساتھ تدبر قرآن پر صرف کئے اور وہ اپنے عمیق مطالعہ' عبقریت اور ذہانت کی بنا پر اپنے بہت سے معاصرین پر سبقت رکھتے ہیں۔ مولانا کا عقیدہ ہے کہ قرآن حکیم کی ہر سورہ کا ایک عمود یا مرکزی مضمون ہے جو مطالب سورہ کی شیرازہ بندی کا کام دیتا ہے' اس کے تمام مضامین کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے اور تمام بکھرے ہوئے موتیوں کو جمع کر کے ان سے ایک خوبصورت ہار تیار کر دیتا ہے۔ عمود کا سررشتہ پوری سورت کو کثرت مضامین کے باوجود ایک وحدت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مولانا فراہی قرآن فہمی کے سلسلہ میں ربط اور نظام کو شاہ کلید کی حیثیت دیتے ہیں۔ اپنے موقف کی وضاحت کے لئے آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

''تفسیر نظام القرآن'' جس کے مقدمہ کے طور پر ''فاتحہ نظام القرآن'' کو شامل کیا' ربط ومناسبت کے اصولوں کی وضاحت کے لئے ''دلائل النظام'' ''اسالیب پر ایک مستقل رسالہ'' اسالیب القرآن'' لغت سے متعلق ''مفردات القرآن'' قرآن کے طرزِ استدلال پر ''حجج القرآن'' اور اصول تفسیر پر "التکمیل فی اصول التاویل" اور" تاویل الفرقان بالفرقان" لکھا[۳۲]۔افسوس ہے کہ مولانا فراہی کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ اپنی اکثر تصانیف کی تکمیل نہ فرما سکے۔

آپ کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحی نے نظم قرآن کی بحث کو ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ مولانا اصلاحی نے قرآن کی جملہ سورتوں کو سات گروپوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر گروپ کی تشکیل اس طرح ہے کہ اس کے آغاز میں ایک یا ایک سے زائد مکی سورتیں ہیں اور ہر گروپ کا اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ہوتا ہے۔اس طرح مکی اور مدنی سورتوں سے مل کر ایک گروپ بن جاتا ہے۔ مولانا موصوف قرآن کی مجموعی سورتوں کو بھی سات گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں ہر گروپ کا اپنا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جسے وہ علامہ فراہی کی طرح عمود کا نام دیتے ہیں۔ان کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ ہر گروپ کے مرکزی مضمون کے دو رخ ہیں' ایک رخ مکی سورتوں میں بیان کیا گیا ہے اور دوسرا مدنی سورتوں میں۔ اس طرح دونوں مل کر مرکزی مضمون کی تکمیل کرتے ہیں۔مولانا کا موقف یہ ہے کہ مختلف سورتوں میں مختلف اصولی باتوں پر آفاقی' انفسی اور تاریخی دلائل وشواہد کا بیان ہے' یہ دلائل نہایت حکیمانہ ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں' نظم وترتیب اور کلام کے منطقی تسلسل سے صحیح واقفیت کے بغیر دین واَخلاق کے اجزاء کے باہمی ربط کو سمجھنا دشوار ہے۔اسی طرح تاویل کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے سب سے اہم چیز عبارت کے سیاق وسباق اور نظام کی معرفت ہے۔اگر سیاق اور نظم کو ملحوظ رکھا جائے تو اکثر مواقع پر ایک ہی قول اور ایک ہی توجیہہ کے سوا دوسرے کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ مولانا اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن''

ارتباط اور نظم کے باب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

تاریخی مطالعہ کا حاصل

علم مناسبۃ اور نظم کی ارتقائی تاریخ کے مطالعہ سے چند اہم نکات ابھر کر سامنے آئے ہیں:

اوّل یہ کہ قرآن حکیم کا اسلوب قدماءِ عرب کے طرزِ نگارش اور نہج کے مطابق ہے، مگر وہ بیان و بلاغت کی اعلیٰ ترین سطح اور ذوق کا نمونہ ہے اور تاثیر نفوس کا ایسا معیار پیش کرتا ہے جس سے اہل عرب واقف نہ تھے۔ وہ لغت عربی کے مفردات کے موجد ضرور تھے، بہت سے معاجم ان کے پاس تھے، مگر وہ معجم ترکیبی نہ رکھتے تھے۔ قرآن حکیم نے لغت کی تراکیب کو ایجاد کیا اور عربی زبان و ادب کو قرآنی اسلوب کی صورت میں ایسا معجم ترکیبی میسر آیا جو تمام فنون بلاغت کی اصل قرار پایا[۳۳]۔

ثانیاً یہ کہ تمام فصحاءِ عرب، کافر اور مؤمن سبھی نے قرآنی بلاغت کو تسلیم کیا اور اپنے اعجاب، حیرت اور شدید تاثر کا اظہار کیا۔ عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ سردارانِ کفار میں سے جبکہ اہل اسلام میں سے اشعر الشعراء لبید پھر بعد کے فصحاء میں سے ابن مقفع، عبدالحمید کاتب، سہل بن ہارون، الجاحظ، ابن العمید اور ابنِ قتیبہ سب نے قرآن کی عظمت اور جلالت اسلوب کا اقرار کیا اور کسی کو نظم اور ارتباط کا کوئی اشکال لاحق نہ ہوا۔

ثالثاً یہ کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے عہد سے لے کر تیسری صدی ہجری کے آخر تک قرآن کے فہم اور اس کے بلاغی معیار کی تحسین کے لئے شعر اور کلامِ عرب کی طرف رجوع کرنے کا ذوق عام تھا جس کا آغاز حضرت عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا[۳۴]۔ شروع میں بڑی توجہ الفاظ اور جملوں کی ترکیب کی طرف رہی اور معانی القرآن، غریب القرآن، لغات القرآن اور المصادر فی القرآن جیسے موضوعات پر تصانیف کا دَور رہا۔ پھر اسلوبِ قرآن، جملوں کے معنوی نظم اور الفاظ کے معنوی روابط

سے دلچسپی بڑھی اور مجاز القرآن، نظم القرآن اور مشکل القرآن جیسی تصانیف وجود میں آئیں۔ تیسری صدی کے آخر میں ہمیں مقدمہ تفسیر الطبری کی صورت میں ان ساری کوششوں کے نتائج یکجا مل جاتے ہیں۔ اس عہد تک قرآن کے بلاغی مباحث کا دائرہ بڑی حد تک الفاظ، جملوں کی ترکیب، مفرد مضامین کی لفظی اور معنوی خوبیوں تک محدود رہا ہے۔ ارتباطِ مضامین، نظم اور مناسباتِ آیات وسور پر گفتگو کرنے کی طرف انہوں نے توجہ نہ کی۔

رابعاً تیسری صدی ہجری کے بعد جب آیات اور سورتوں میں نظم اور مناسبات سے متعلق گفتگو کا آغاز ہوا تو اس بحث سے شغف اور دلچسپی ان حلقوں میں زیادہ بڑھی جن کی نہاد عجمی تھی اور جو کلام کے منطقی تسلسل اور نظام کی باریکیوں اور اسرار وحقائق سمجھنے کی طرف زیادہ مائل تھے، اور چونکہ ان سارے مباحث کی بنا توقیفی علم پر نہ تھی، بلکہ اجتہاد اور قیاس پر مبنی تھی، اس لئے دوسری بحثوں کی طرح تعبیر کے معاملہ میں بھی اہل علم نے الگ الگ موقف اور مسلک اختیار کر لئے۔ جن کے تین مکاتب فکر اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ ایک مکتبہ فکر تو یہ ہے کہ آیات وسور میں نظم اور مناسبات کی تلاش ہی لاحاصل ہے۔ ہر آیت مفرد اور مستقل مضمون رکھتی ہے [۳۵]۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جس طرح کائناتی تخلیق اور قدرتی مناظر میں کوئی ترتیب قائم نہیں ہے، کہیں ناہموار پہاڑ ہیں تو کہیں میدان، کہیں اونچی نیچی وادیاں ہیں تو کہیں ندی نالے، کہیں سرسبز جنگلات ہیں تو کہیں لق ودق ریگستانی سلسلہ، ان سب کی بے ترتیبی میں ایک حسن ہے۔ قرآن حکیم کا حسن وجمال بھی آیات اور سورتوں کی مستقل حیثیت اور انفرادیت میں ہے، اجزاء کا انفرادی کمال بھی تکمیل حسن کی ایک صورت ہوتی ہے اور بعض جگہ تغایر اور تضاد بھی تخلیق حسن کا باعث ہوتا ہے اور جلالت مضمون کی وجہ سے پسندیدگی اور دل کشی پیدا ہو جاتی ہے۔ غالباً مفسرین کرام کا بہت بڑا طبقہ جس نے نظم اور مناسبات سے تعرض ہی نہیں کیا، اسی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا مکتبہ فکر اُن اصحاب کا ہے جو نظم اور مناسبۃ کی تحقیق اور جستجو کی ستائش کرتے ہیں۔ وہ نظم کی لطافت اور رموز کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں مگر وہ پورے قرآن میں ہر جگہ نظم اور ارتباط کو لازمی جز و قرار دیتے ہیں نہ اسے اعجاز قرآن کا حصّہ تسلیم کرتے ہیں' بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ قرآن حکیم کے اسلوب میں ادبِ قدیم کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور قدماءِ عرب کے ادب میں مضامین کے مابین نظم و ربط ہر جگہ ضروری نہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس موقف کی حمایت کرنے والوں میں شیخ العز بن عبدالسلام[۳۶] (م ۶۶۰ھ)' شیخ ولی الدین ملوی' ابوالعلاء محمد بن غانم اور حضرت شاہ ولی اللہ جیسے حضرات شامل ہیں۔

تیسرا مکتبہ فکر یہ ہے کہ قرآن حکیم شروع سے آخر تک باہم مربوط ہے۔ مضامین و مطالب کی بوقلمونی و گونا گونی کے باعث قرآنی اسلوب و انداز میں تغیرات پائے تو جاتے ہیں مگر تعبیر و بیان کا ایک ہی طریقہ رہتا ہے جو کبھی شدت اختیار کر لیتا ہے اور کبھی نرم ہو جاتا ہے۔ گاہے مفصل ہوتا ہے اور گاہے مجمل' یہ تبدیلیاں مخاطبین کے حسبِ حال ہوتی ہیں مگر ہر جگہ جلی یا خفی نظم کا ایک سلسلہ ضرور ہوتا ہے۔ اس فکر کے بعض اصحاب قرآن میں اس درجہ نظم اور ربط کے قائل ہیں کہ انہیں قرآن مجید وحدت بسیطہ اور ہیئت موحدہ کی حامل کتاب نظر آتی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے اور لوحِ محفوظ کے عین مطابق ہے۔ ترتیبِ نزولی اور ترتیبِ کتابت کا فرق اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آیاتِ قرآنی میں باہمی نظم موجود ہے۔ ان کے نزدیک نظم کا سمجھ لینا ہی قرآن حکیم کی شاہ کلید کو پالینا ہے جس کے ذریعے اس کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں اور اسرار اور معارف کی بارش ہونے لگتی ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۳ھ) پہلے امام ہیں جو اِس عقیدے کے مدعی ہوئے کہ قرآن حکیم کل ایک کلمۂ واحدہ کی مانند ہے۔ امام فخر الدین رازی نے آگے بڑھ کر اسلوبِ قرآن کے اس پہلو کو بھی اعجاز کا حصّہ قرار دیا۔ امام علاء الدین مہائمی (م ۸۳۵ھ) اور ابو السعود حنفی

(م۹۸۲ھ) نے اپنی تفاسیر سے امام رازی کے فکر کی آبیاری کی' بعد کے فضلاء بھی اس فکر کو وسعت دیتے رہے۔ چودھویں صدی ہجری کے فضلاء کی غالب اکثریت اسی مکتبہ فکر کی حامل ہے جن میں شیخ محمد عبدہ' رشید رضا' محمد مصطفیٰ مراغی' انور شاہ کاشمیری' عبیداللہ سندھی' مولانا اشرف علی تھانوی اور حمید الدین فراہی قابل ذکر ہیں[۳۷]۔

آخر الذکر حمید الدین فراہی نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ قرآن حکیم کے عمیق مطالعہ میں صرف کیا اور قرآن میں نظم کے اثبات کے لئے گراں قدر تحقیقی ذخیرہ چھوڑا' جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مولانا فراہی کو اس خاص فکری میدان میں بہت سے علماء متاخرین پر سبقت حاصل ہے۔

خامساً یہ کہ جو حضرات قرآن حکیم میں نظم وارتباط کے حامی ہیں وہ پھر تحقیق' ارتباط اور نظم کی تلاش کے اعتبار سے دو حصّوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا گروہ اُن اصحاب کا ہے جو ہر آیت کو اس کے ماقبل سے وابستہ اور مربوط قرار دیتے ہیں اور پوری سورت کی آیات کو اسی نہج سے ایک لڑی میں پرو دیتے ہیں جو سب مل کر ایک حلقہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ حضرت امام رازی سے لے کر ابو السعود حنفی تک متقدمین کی اکثریت نے اسی نہج کو اختیار کیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی' مولانا ابوالکلام' مولانا عبدالحق حقانی' مفتی محمد شفیع' مولانا ادریس کاندھلوی' مولانا مودودی' مولانا عبدالماجد دریابادی نے اسی طریقہ کو اپنایا ہے۔

دوسرا وہ طبقۂ فکر ہے جو سورت میں ایک مرکزی مضمون' ایک دعویٰ' ایک جامع عمود تلاش کرتے ہیں' پھر اس سورت کے تمام اجزاء کو اس سے وابستہ قرار دیتے ہیں۔ اس طریقہ کا آغاز ولی اللہی مکتبہ فکر کے عمائدین سے ہوا جسے بعد میں مولانا حسین علی (صاحب بلغة الحيران فی ربط آيات الفرقان)' مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے مزید وسعت دی۔

(بشکریہ: فکر ونظر اسلام آباد' جولائی۔ستمبر ۱۹۸۷ء)

حوالہ جات وحواشی

۱) جامع ترمذی،باب ما جاء فی فضل القرآن، مطبوعہ مصر،ص ۱۰۸

۲) مناع خلیل قطان: مباحث فی علوم القرآن، بیروت،ص ۹۷

۳) صبحی الصالح ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن، طبع ثانی، جامعہ دمشق، ۱۳۸۱ھ،ص ۱۷۰

۴) جلال الدین السیوطی،الاتقان فی علوم القرآن، جلد دوم،ادارہ اسلامیات لاہور،ص ۲۷۰ تا ۲۷۶

۵) شاہ ولی اللہ دہلوی،الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، قرآن محل کراچی،ص ۱۲

۶) حفنی محمد شریف: مقدمہ بدیع القرآن،ص ۳۷

۷) احمد امین ڈاکٹر،ضحی الاسلام، مجلّہ ثانی،ص ۱۶۱

۸) شوقی ضیف ڈاکٹر،البلاغۃ تطور و تاریخ، مطبوعہ دار المعارف مصر،ص ۵۸

۹) صبحی الصالح ڈاکٹر،علوم القرآن، مطبوعہ مصر،ص ۳۶

۱۰) محمد بن اسحاق الندیم،الفہرست مطبوعہ،ص ۶۳

۱۱) رضوان علی سید ڈاکٹر،مقدمہ الفوائد فی مشکل القرآن لعز بن عبدالسلام،ص ۶۳

۱۲) صبحی الصالح ڈاکٹر،مباحث فی علوم القرآن، الطبعۃ الثانیۃ دمشق،ص ۳۶۰

۱۳) محمد خلف اللہ احمد ڈاکٹر،مقدمہ اثر القرآن فی تطور النقد العربی، طبع ثانی، دار المعارف مصر،ص ۱۴

۱۴) مناع خلیل القطان،مباحث فی علوم القرآن، طبع ثانی بیروت،ص ۷۶۔ محمد ابن سیرین حضرت عبیدہ سے قرآنی آیت کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ ''اتق اللہ و قل سدادا ذھب الذین یعلمون فیما انزل اللہ من القرآن''

۱۵) مصطفیٰ الصادق الرافعی،اعجاز القرآن،ص ۲۷۷

۱۶) عبدالصمد الصارم الازہری، تاریخ التفسیر، انارکلی لاہور،ص ۱۳۳

۱۷) شوقی ضیف ڈاکٹر، البلاغۃ تطور و تاریخ، مصر،ص ۲۲۰

۱۸) مناع خلیل قطان،مباحث فی علوم القرآن،ص ۹۷

۱۹) فخر الدین رازی،تفسیر کبیر، مصر،الجزء الثانی،ص ۵۶۴

۲۰) ترجمہ: آنکھوں کو جو ستارے چھوٹے نظر آتے ہیں تو اس چھوٹے نظر آنے میں قصور آنکھوں کا ہے نہ کہ ستاروں کا۔

۲۱) جلال الدین السیوطی' الاتقان فی علوم القرآن' جلد دوم' ادارہ اسلامیات لاہور' ص ۲۶۷

۲۲) دکتور مصطفیٰ الصادق الرافعی' اعجاز القرآن' ص ۲۷۷

Dr.ZUBAID AHMED,India`s Contribution towards Arabic Literature, p.14

۲۳) علاء الدین بن احمد الشافعی المہائمی (م ۸۳۵ھ)' تبصیر الرحمن وتیسیر المنان' ص ۲

۲۴) شاہ ولی اللہ' الفوز الکبیر' مطبع سعیدی کراچی' ص ۱۲

۲۵) شاہ ولی اللہ' الفوز الکبیر فی اصول التفسیر' ص ۱۲

۲۶) شاہ ولی اللہ' الفوز الکبیر فی اصول التفسیر' ص ۱۲

۲۷) عبدالحی الحسنی' الثقافة الاسلامیة فی الهند' ص ۱۶۶

۲۸) غلام محمد حریری' تاریخ تفسیر و مفسرین' استقلال پریس لاہور' ص ۶۷۶

۲۹) محمد یوسف بنوری' یتیمة البیان لمشکلات القرآن' مجلس علمی' جمال پریس دہلی' ص ۶۷

۳۰) عبدالباری' پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی' جامع المجد دین' ہارڈنگ روڈ لکھنؤ' بھارت' ص ۸۱۔ اشرف علی تھانوی' سبق الغایات فی نسق الآیات' کتب خانہ اعزازیہ دیوبند' ص ۱

۳۱) عبیداللہ سندھی' شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ' سندھ ساگر اکادمی لاہور' ص ۹۶

۳۲) محمد عنایت اللہ سبحانی' مولانا حمید الدین فراہی' البدر پبلی کیشنز لاہور' ص ۱۵۳ تا ۱۶۸

۳۳) مصطفیٰ صادق رافعی ڈاکٹر' اعجاز القرآن' ص ۲۸۷

۳۴) مناع خلیل قطان' مباحث فی علوم القرآن' دار المعارف مصر' ص ۹۸

۳۵) محمد تقی عثمانی' علوم القرآن' مکتبہ دار العلوم کراچی' ص ۲۶۶

۳۶) مناع خلیل قطان' مباحث فی علوم القرآن' بیروت' ص ۹۸

۳۷) محمد ولی نعمانی' قرآنی آیتوں کا ربط شاہ ولی اللہ کی نظر میں' الرحیم' ستمبر ۱۹۶۶' شاہ ولی اللہ اکیڈمی' ص ۳۱۰

خدا سے منحرف مغربیت:
دجالی تہذیب کا بدترین مظہر (4)

ریاض الحسن نوری ☆

جدید جمہوری دور میں عام آدمی بے بس ہوتا ہے

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے:

''سیاست اور معاشیات آج کل زیادہ سے زیادہ بڑی اور وسیع انجمنوں کے تحت آ چکے ہیں جن کے سامنے عام آدمی بالکل بے بس ہو جانے کے خطرہ سے دوچار ہو گیا ہے۔ ان انجمنوں میں سب سے بڑی خود حکومت ہے اور آزادی کے لئے یہ سب سے بڑا خطرہ ہے''۔ (48)

امریکہ اور انگلینڈ میں عام جرائم

بقول رسل برٹش پارلیمنٹ نے قانون پاس کر دیا ہے کہ جو دوزخ کا انکار کرے وہ بھی عیسائی کہلانے کا حق دار ہے۔ انگلینڈ میں مذہب کا فیصلہ پارلیمنٹ کے ایکٹ سے ہوتا ہے۔ اب عیسائی کے لئے دوزخ پر یقین ضروری نہ رہا (وہائی آئی ایم ناٹ اے کرسچین؟ صفحہ 14) نتیجہ یہ ہوا کہ بنکوں کے 20 فیصد جبکہ دکانوں کے 75 فیصد ملازم چور ہیں''۔ (49)

جمہوری حکمران بھی ڈکٹیٹر بن جاتے ہیں۔ ہٹلر اور مسولینی بقول رسل جمہوریت سے آئے تھے۔ انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے فحبہ گری و ہم جنسی تعلقات کو بصورت رضامندی جائز قرار دے دیا ہے۔ ان بدکاریوں سے قبیح جنسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور اربوں روپے ضائع ہوتے ہیں۔ ایک جنسی مرض سے امریکہ میں ہر سال تیرہ

☆ مشیر وفاقی شرعی عدالت و ریسرچ سکالر رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

ہزار لوگ اندھے ہو جاتے ہیں۔ بعض سیاست دانوں نے داشتائیں رکھی ہیں جن کو تنخواہیں سرکاری خزانے سے ملتی ہیں۔ (ہیری بنجمن' پراسٹیٹوٹ ان سوسائٹی: 312' 313' 265 مطبوعہ لندن) صرف نیویارک میں 15000 ڈاکو ہیں[50] امریکہ میں روزانہ 1000 زنا بالجبر کے واقعات ہوتے ہیں۔

ارجنٹائن کی حکومت کا اپنے عوام کا قتل عام

امپیکٹ آف سائنس آن سوسائٹی ص 33 پر برٹرینڈ رسل نے لکھا ہے کہ جدید سائنسی دور میں حکومتوں کو عوام کا ذہن تبدیل کرنے پر کافی کنٹرول حاصل ہو گیا ہے۔ مثلاً حکومت پروپیگنڈا کر سکتی ہے کہ برف کالا ہوتا ہے اور جو اسے سفید کہتے ہیں وہ ذہنی مریض ہیں۔

دوسری جگہ وہ لکھتا ہے کہ اگر آپ پولیس کو کنٹرول کرتے ہیں تو آپ کو سچائی گھڑنے کی دیوتاؤں کی طاقت حاصل ہو سکتی ہے کہ سچ یہ ہے کہ سورج ٹھنڈا ہے۔ پھر آپ یہ کر سکتے ہیں کہ جو اس کا انکار کرے اسے ختم کر دیا جائے۔ (امپیکٹ آف سائنس آن سوسائٹی: 75 یعنی سائنس کا سوسائٹی پر اثر) ریڈرز ڈائجسٹ ماہوار رسالہ جو دنیا کی سولہ زبانوں میں چھپتا ہے' اب عربی میں بھی چھپنا شروع ہو گیا ہے۔ اپنی اگست 1980ء کی اشاعت میں ''ارجنٹائن کی حیران کن خوف کی حکومت'' میں لکھتا ہے کہ ارجنٹائن میں 20'000 مرد و خواتین حکومت نے اغوا کر لئے جو لاپتہ ہیں۔ اس کا دارالخلافہ جنوبی کرہ زمین کا بہترین شہر ہے۔ اس ملک میں نئی حکومت جب آئی تھی تو لوگوں نے اس سے بڑی امیدیں لگائی تھیں۔ غائب ہونے والی ماؤں کو پاگل مائیں کہا گیا۔ اکثر گھروں سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اغوا کی گئی۔ اگرچہ یہاں خبروں پر باقاعدہ سنسر شپ نہیں ہے مگر اخباروں کے 35 ملازم اغوا کئے گئے۔ تفصیلات کے لئے اصل مضمون پڑھئے۔ لیکن یہ تو پرانی بات ہے' اس کے بعد غالباً ٹائمز رسالے نے اس سے زیادہ قتل عام کی وارداتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس ملک پر خاموشی چھائی ہوئی ہے۔

کمبوڈیا میں عوام کا قتل عام

یہاں کا سابق حکمران جو 1998ء میں فوت ہوا ہے' اس نے 1975ء سے 1979ء تک عوام میں سے 10 لاکھ انسانوں کا قتل عام کیا۔ اس نے یہ ظلم اپنی حکومت کی بقا کی خاطر کیا۔ اس نے فرانسیسی وظیفہ پر پیرس میں تعلیم حاصل کی اور 1952ء میں فرانس کی کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بنا۔ ایک موقع پر اس نے 16000 ریکروٹوں کو (اذیت دے کر) مار ڈالا۔ جو اس کے پروگرام سے اختلاف کرتا اس کو کلہاڑی سے مار دیتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس کے خلاف دنیا کی حکومتوں اور اداروں نے کچھ نہ کیا۔[51]

مشہور امریکن مصنفہ پیٹی جانسن کا اعتراف کہ امریکن قوم ٹھگوں کی قوم ہے۔ اچھا امریکن اب اقلیتی گروپ کا ممبر ہے

مذکورہ مصنفہ ''Are we a nation of hoods'' کے عنوان کے تحت لکھتی ہیں کہ اب سکول کے لڑکے جھنڈے سے مرغوں کو باندھ کر آہستہ آہستہ ان کو گھٹ کر مرجانے دیتے ہیں۔ ہمارے لڑکے گھروں پر لال رنگ پھینکتے ہیں اور گاڑیوں کی کھڑکیوں پر بیر کی بوتلیں اور گندے انڈے۔ جدید دور سے پہلے ہمارے ہاں کسی کو یہ خیال تک نہ آتا تھا کہ شہر کے لوگوں پر گولیاں برسائیں یا کسی لڑکی کے ساتھ پارک میں زنا بالجبر کریں۔ آج جب اخبار میں چھپتا ہے کہ لڑکے 100 میل کی رفتار سے گاڑی چلاتے ہیں اور پولیس ان کے پیچھے ہوتی ہے' پولیس پر گولیاں بھی چلاتے ہیں تو ان لڑکوں کے نام برے علاقوں کے علاوہ پوش علاقوں سے بھی ہوتے ہیں۔ میرے دوست ہیں جن کے مکان کی کھڑکیاں رات کو توڑ دیں اور فرنیچر توڑ دیا۔ انہوں نے لڑکے کو پہچان لیا' مگر انہوں نے یہ نہ کہا کہ ہم اس کو جانتے ہیں' کیونکہ وہ ان کے دوست کا بیٹا تھا۔ مزید انہیں علم تھا کہ پہلا جرم سمجھ کر اس کو پیرول پر رہا کر دیا جائے گا اور پھر جب موقع ملے گا تو وہ ہم سے بدلہ لے گا۔ مزید ہم رات کو چھوٹی سڑک پر پھرنے سے بھی ڈرتے ہیں کیونکہ اگر ہم پر حملہ ہوا تو کوئی ہماری مدد نہ کرے گا۔ آج

میرا دل دوپہر کو دھوپ میں بیٹھ کر اپنے ملک پر رونے کو چاہتا ہے کہ ہمارا ملک ادب و اخلاق کے معاملے میں اتنا گر چکا ہے..... دہشت گردی اب عام ہو چکی ہے۔ پھر کہتی ہے کہ اگر آج حضرت عیسیٰؑ دشمن کو معاف کرنے اور محبت کا پیغام لے کر نمودار ہوں تو مجھے شبہ ہے کہ میرے شہر کے لوگ ان کو صلیب پر لٹکانے میں دیر نہ کریں گے۔ المختصر انہوں نے زمانہ قریب میں ہمارے لئے کیا کیا ہے؟[52]

غرضیکہ مغرب کے عیسائی منافقانہ طور پر عیسائی ہوئے ہیں۔ بقول رسل انگلینڈ میں قانون بن گیا ہے کہ دوزخ پر ایمان نہ رکھنے والا بھی عیسائی شمار ہوگا اور اب وہاں قحبہ گری اور رضامندی سے ہم جنس پرستی وغیرہ جرم نہیں رہے۔ مغرب میں محرمات سے بدکاری تقریباً 24 فی صد ہو چکی ہے۔ عام ہونے کی وجہ سے کینیڈا اور سویڈن کی قانونی اصلاحی کمیشنوں نے سفارش کی ہے کہ محرمات سے بدکاری کو جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا جائے۔ اسی سال گوام (Guam) میں اسے معمولی جرم قرار دے دیا گیا۔ حوالے کی انگریزی عبارت یوں ہے:

In 1976, Canadian and Swedish law reform commissions recommeded decriminalization of incest, and the same year Guam reduced incest to a misdemeanor.[53]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

مشہور امریکی ہفتہ وار رسالہ ٹائم مؤرخہ 10 جنوری 1994ء میں (صفحہ 34'35) پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک تحقیقاتی مضمون چھپا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ آپ نے مشہور پہاڑی کا وعظ کبھی نہیں دیا تھا، نہ اس میں ذکر کی گئی عمدہ باتیں کہی تھیں۔ آپ کے معجزات کا بھی انکار کیا ہے اور دوبارہ جی اٹھنے کے قصے کا بھی انکار ہے۔ پھر آپ کی لاش کا کیا بنا؟ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ اسے جنگلی کتے کھا گئے۔ اس توہین آمیز جملہ کے اصل الفاظ یوں ہیں جو ہم دل پر جبر کر کے لکھ رہے ہیں (نعوذ باللہ)

What happened to the body then? Most probably it was consumed by wild dogs.

اگلے صفحہ 35 پر لکھا ہے:

"The narrative Gospels have no claim as historical accounts. the Gospels are imaginative creations".

If Jesus amounts to only his words in The Lost Gospels. he barely holds on to them in The Five Gospels. The book is the product of the 74 biblical scholars (including Crossan) who belong to the Jesus Seminar. Precisely 82% of Jesus words are judged inauthentic.

''بائبل کی کتب یہ دعویٰ نہیں کرتیں کہ وہ تاریخی بیانات ہیں۔ یہ کتب فرضی موضوعی بیانات ہیں۔ گم شدہ گاسپل اور گاسپل کی پانچوں کتابوں میں تضاد ہے۔ نیا ترجمہ اور تحقیق بائبل کے 74 محققین کی جدید تحقیقات کا نتیجہ ہیں۔ عیسیٰ کے ۸۲ فیصد الفاظ کو نا قابل اعتبار قرار دے دیا گیا ہے۔''

ہم نے بہت سی بکواسیات چھوڑ دی ہیں۔تفصیلات کے لئے اصل مضمون دیکھئے۔ ہم پہلے حوالہ دے چکے ہیں کہ امریکہ میں لاکھوں سگے' سوتیلے ماں باپ اپنے بچوں کو اذیت سے ہلاک کرتے ہیں۔ (54)

آٹھ لاکھ بچے ہر سال لاپتہ

ہفتہ وار رسالہ ٹائم بابت 3 جولائی 1995ء میں ایک مضمون چھپا ہے جس کا عنوان ہے Cyberporn یعنی انٹرنیٹ پر فحاشی۔

اس کے صفحہ 32 پر لکھا ہے کہ انٹرنیٹ پر 9 لاکھ سے زیادہ فحش جنسی تصاویر کی نمائش ہو رہی ہے۔ اگلے صفحہ پر عنوان ہے کہ بہت فحش تصاویر کی اتنی زیادہ مانگ نہیں ہے جتنی کہ انوکھی چیزوں کی مانگ ہے۔ مثلاً چھوٹے بچوں سے جنسی اختلاط' جنسی غلامی' اذیت پہنچانا' دوسروں کی اذیت کا شکار بننے کا شوق اور مختلف قسم کے جانوروں سے جنسی اختلاط۔ یعنی عام حرکتوں سے ہٹ کر نئے نئے جنسی اختلاط کے طریقے اور

کام و دہن کا جنسی اعضاء پر استعمال وغیرہ۔ صفحہ 34 پر درج ہے کہ امریکہ میں ہر سال آٹھ لاکھ بچے لاپتہ ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا عام شوق سے ہٹ کر کلچر کو دیوانگی کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

انسائیکلوپیڈیا آف مرڈر 1980ء کے ایڈیشن میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک شخص کو شبہ ہوا کہ اس کی بیوی اپنے بھائیوں سے بھی جنسی تعلقات رکھتی ہے۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے سالے سے کار میں سواری کے دوران اس کے متعلق سوال کیا تو اس کا سالا بولا کہ ہاں ہم دونوں بھائی اپنی بہن سے جب چاہتے ہیں جنسی تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے فوراً اپنے سالے کو پستول سے مار ڈالا۔

اب تو مضامین لکھے جا رہے ہیں کہ محرمات سے جنسی تعلقات کی پابندی کو ختم کر دینا چاہئے۔ بلکہ بعض لوگ تو اس کے فائدے بھی بیان کرنے لگے ہیں۔ ایسی تہذیب اور کلچر کو Anti Christ یعنی دجالی تہذیب کے سوا اور کون سا نام دیا جا سکتا ہے۔ ہنگری کے نومسلم سکالر لیو پولڈ نے اپنی کتاب ''روڈ ٹو مکہ'' میں بجا طور پر مغربی تہذیب اور کلچر کو دجالی کہا ہے۔ مغرب کی نام نہاد جمہوریتوں کے خود اپنے عوام پر مظالم کو خدا نے چاہا تو الگ مضمون میں بیان کریں گے۔

یورپ کی غلامی پر رضا مند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں

ریڈرز ڈائجسٹ جنوری 1967ء میں ایک اور مضمون ہے جس کا عنوان ہے کہ جو مجرم نہیں ان کو بھی تو انصاف دو۔ مصنف لکھتا ہے کہ ہم تمام قوم میں بار بار یہ نظارہ دیکھتے ہیں کہ قاتل قتل کا جرم تسلیم کر لیتا ہے مگر اسے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ امریکن انصاف کا سپریم کورٹ نے بظاہر ناممکن تماشا بنا رکھا ہے۔ پچھلے نو سال سے یہ ہو رہا ہے کہ پولیس والوں کو ہتھکڑیاں لگا دی جاتی ہیں۔ مقدمہ چلانے والے ججوں کو کٹھ پتلی بنا دیا گیا ہے۔ جیوری کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ مجرموں کو کثیر فائدہ پہنچانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ انگریزی عبارت یوں ہے:

For in a series of rulings over the past nine years, the court has progressively handcuffed the police, turned trial judges automations, and blindfolded juries, all to the immense benefits of crimnals. (55)

آج کل آئین کا ایک تشریحی قانون یہ ہے کہ پولیس کا مجرم سے سوالات کرنے سے پہلے اس کا یہ حق بتانا ضروری ہے کہ اگر وہ چاہے تو کسی سوال کا جواب نہ دے اور مجرم چاہے تو اسے وکیل بھی سرکاری خرچ پر مہیا کیا جا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ اگر مجرم کسی بھی طریقے سے یہ عندیہ دے دے کہ وہ سوالات کے جوابات نہیں دینا چاہتا تو پولیس کو فوراً رک جانا چاہئے۔ جب سے چیف جسٹس وارن نے نئے قانون کا اعلان کیا ہے فلیڈیلفیا پولیس کا مشاہدہ ہے کہ گرفتار کردہ 56 فیصد مشکوک مجرم پولیس کے سوالوں کا جواب دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے بہت مرتبہ انصاف نہیں ہوتا۔ اس کی بہت سی مثالیں مصنف نے بیان کی ہیں۔ مثلاً ایک جوان نے تسلیم کر لیا کہ اس نے قتل کیا ہے لیکن جج نے کہا کہ پولیس نے اس کے حقوق یاد نہیں دلائے تھے۔ چنانچہ مجرم کو چھوڑ دیا گیا۔ مصنف ایسے بہت سے واقعات ذکر کرنے کے بعد ایک جج کا بیان نقل کرتا ہے کہ آخر نیک اور شریف لوگوں کے بھی کچھ حقوق ہیں۔

ان شاء اللہ ہم الگ سے امریکن عدالتوں کے ظالمانہ طریقوں کو بیان کریں گے۔ یہاں اتنا ہی کافی ہے۔

مغربی تہذیب و کلچر میں لڑکیوں کو جنسی زیادتی کا شکار بننے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ یہ اینٹی کرائسٹ دجالی تہذیب کا ثبوت ہے۔

امریکہ کی ایک مشہور محقق خاتون نے کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "Against our will, men women and rape" مصنفہ کا نام Susan Brownmiller ہے۔ پبلشر کا نام Bantam Books نیویارک۔ جولائی 1981ء میں چھ بار شائع ہوئی۔ مسلسل چھپ رہی ہے۔ مغرب میں شروع سے دیوتا بھی

زنا بالجبر کرتے رہے۔ وہ صفحہ 314 پر لکھتی ہے کہ سب سے بڑے دیوتا زیس (Zeus) نے لیڈا سے زنا بالجبر کیا اور ہیلن پیدا ہوئی۔ اس فعل کے لئے دیوتا نے راج ہنس کی شکل اختیار کی تھی۔ مارگریٹ میڈ کی تحقیق تھی کہ جنگلی قبیلوں میں جنسی زیادتی کا جرم عنقا پایا گیا۔ امریکہ میں 38 لوگوں نے مظلومہ کی چیخیں سنیں' بلکہ کچھ نے دیکھا' مگر پولیس کو نہ بلایا (ص: 217) پھر لکھتی ہے کہ خواتین کو جنسی زیادتی کا شکار بننے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ پڑھنا لکھنا سیکھنے سے پہلے ہم میں شکار بننے کی ذہنیت پیدا کر دی جاتی ہے۔ (ص :343) مغرب میں خوبصورتی پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ عورتوں کو باور کرایا جاتا ہے کہ جنسی زیادتی کا شکار بننا بلکہ ساتھ ہی قتل ہو جانا بھی خوبصورت ہونے کا ثبوت ہے (ص: 380) مرد عورت کے خلاف طاقت کا اظہار کرتے ہیں۔ عورت کو بچپن ہی سے دعوے سے دست بردار ہونے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ شروع ہی سے اس کو ہارنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ وہ مقابلہ کے لئے فٹ نہیں ہوتی۔ مرد کو بچپن سے ہی مضبوط پٹھے بنانے کی ٹریننگ دی جاتی ہے جبکہ لڑکی کو نرم و نازک کھال اور کلائیوں کی ترغیب دی جاتی ہے۔ مردانہ لباس میں تیزی سے حرکت کی جا سکتی ہے۔ مرد کے مضبوط بوٹ اور موٹی ایڑیاں اس کو طاقت عطا کرتی ہیں۔ لڑکی کا نازک لباس اور ڈیزائن اسے حرکت میں سرعت عطا نہیں کرتا' شکار بننے میں مدد دیتا ہے۔ ذرا سے جھٹکے سے اس کا بلاؤز پھٹ جاتا ہے۔ لڑکھڑانے سے اس کے موزے پھٹ جاتے ہیں۔ سکرٹ کی وجہ سے رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ ایک حرکت اور اشارے سے وہ عریاں ہو جاتی ہے۔ اس کے جوتے کے سٹریپ آسانی سے ٹوٹ جاتے ہیں' ایڑیاں الگ ہو جاتی ہیں' وہ دوڑ بھی نہیں سکتی۔ نمونہ کے طور پر مذکورہ لمبی عبارت کا پہلا اور آخری انگریزی میں فقرہ یوں ہے: (صفحات 343 تا 403)

Women are trained to be rape victims. . . . .She cannot run.

صفحہ 402 پر لکھتی ہے کہ ہمارے کلچر میں جنسی زیادتی کو مرد و عورت دونوں کے لئے شاندار چیز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے (Glamorised) یہ یقین کیا جاتا ہے کہ ہر عورت

غیر شعوری طور پر جنسی زیادتی کا شکار بننا چاہتی ہے (دیکھئے ص:358) وہ لکھتی ہے کہ 15 ماہ کی بچی سے لے کر 82 سالہ عورت تک غرضیکہ ہر طرح کی عورت جنسی زیادتی کا نشانہ بنتی ہے (ص:388) بیک ٹائٹل پر لکھا ہے کہ یہ جرم جنسی جذبات کا نہیں بلکہ تشدد اور طاقت کا جرم ہے۔ اس کتاب میں پولیس اور عدالتوں کا بہت شکوہ ہے۔ صفحہ 420 پر لکھتی ہے کہ 42 جنسی جرائم کے متعلق ججوں نے کہا کہ وہ 22 کو سزا دیتے مگر جیوری نے صرف 3 کو مجرم قرار دیا ہے۔

اس کتاب میں مصنفہ نے مغربی تہذیب و کلچر کی حقیقی شکل مثالوں سے بیان کر دی ہے۔ مصنفہ صفحہ 108 پر مائی لائی کے مشہور گینگ ریپ (اجتماعی جنسی زیادتی) کے متعلق بتاتی ہے کہ یہ تقریباً روزمرہ کی بات تھی۔ تقریباً سب کا یہی وطیرہ تھا۔ بہر حال یہ بھی انسان تھے اور جذبات رکھتے تھے The Guys are human man۔

حواشی

48) بیسک رائٹنگز آف برٹرینڈ رسل صفحہ 671

49) ریڈرز ڈائجسٹ میں مطبوعہ مضامین

50) ریڈرز ڈائجسٹ اپریل 83

51) تفصیلات کے لئے دیکھئے ٹائم رسالہ 27۔اپریل 1998: ص 12 تا 17

52) ریڈرز ڈائجسٹ جنوری 1967ء صفحات 94 تا 6

53) *Donald E.J Macnamara and Edward sagarin : Sex crime and the Law ' p 183. The Free Press, A Division of Macmillan Publishing Co. Inc. Nweyork and London.*

54) لندن ٹائمز 85-9-26 وغیرہ

55) ریڈرز ڈائجسٹ جنوری 1967ء

امام عبداللہ بن مبارکؒ

۱۱۸ھ.....۱۸۱ھ

عبدالرشید عراقی

امام عبداللہ بن مبارکؒ کا شمار جلیل القدر تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کے علم و فضل، حفظ وضبط، عدالت وثقاہت، تقویٰ وطہارت، امانت ودیانت، فطانت وذکاوت، زہد وورع اور تبحر علمی کا ارباب سیر، محدثین عظام اور علمائے اسلام نے اعتراف کیا ہے۔ علم وفضل کے اعتبار سے ان کا مرتبہ ومقام بہت بلند تھا اور ان کو ہر علم وفن میں کمال حاصل تھا۔ تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، اسماء الرجال، جرح وتعدیل، نقد و تمیز، لغت، ادب اور صرف ونحو میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ بڑے بڑے ائمہ عصر نے ان کے جامع العلوم اور صاحب کمال ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ابن حبان کا یہ قول اپنی کتاب ''تہذیب التہذیب'' میں درج کیا ہے:

کان فیه خصال تجتمع فی احد من اهل العلم فی زمانه فی الارض کلها (۱)

''ابن مبارکؒ میں اہل علم کے اتنے خصائل جمع ہو گئے تھے کہ ان کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر کسی میں جمع نہیں ہوئے تھے۔''

امام عبداللہ بن مبارک کے تبحر علمی اور صاحب کمال ہونے پر ائمہ اسلام کا اتفاق ہے۔ امام نووی اپنی کتاب ''تہذیب الاسماء'' میں لکھتے ہیں:

''عبداللہ بن مبارک کی امامت وجلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ تمام چیزوں میں امام تھے۔ ان کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی تھی۔ ان کی صحبت کی وجہ سے بخشش کی توقع کی جاتی تھی۔'' (۲)

امام عبداللہ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ والد کا نام مبارک تھا جو بنو حنظلہ کے ایک شخص کے غلام تھے۔ بڑے متقی، پرہیزگار، راست باز، عبادت گزار، کم سخن اور اپنے آقا

کے مطیع وفرماں بردار تھے اور اپنے مالک کے باغ میں چوکیداری کرتے تھے۔ ایک دن ان کا مالک باغ میں آیا تو اس نے مبارک سے کہا کہ میرے لئے ایک ترش انار لایئے۔ مبارک نے ان کے سامنے جو انار پیش کیا وہ شیریں تھا۔ مالک کو اس پر غصہ آیا اور اس نے مبارک سے کہا: ''کئی سال سے تم اس باغ میں رہ رہے ہو اور تمہیں ترش اور شیریں انار میں امتیاز کا پتہ نہیں؟'' مبارک نے جواب دیا: ''میں اس باغ کا چوکیدار ہوں اور میرا کام چوکیداری کرنا ہے۔ انار کھانے کی آپ نے مجھے اجازت نہیں دی ہے اس لئے میں ترش اور شیریں انار میں کس طرح امتیاز کر سکتا ہوں؟'' مالک کو مبارک کی یہ بات سن کر سخت حیرت ہوئی اور اس دن سے مالک کو مبارک سے گرویدگی پیدا ہوگئی۔

ایک دن مالک نے مبارک سے کہا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہوں' اس سلسلہ میں مجھے مشورہ دیجئے۔ مبارک نے کہا:

> ''عہد جاہلیت میں لوگ حسب ونسب کی تلاش کرتے تھے۔ یہودی مالدار داماد کی تلاش کرتے تھے اور عیسائی جمال کو مدنظر رکھتے تھے' لیکن اسلام نے دین داری کو اپنے پیش نظر رکھا ہے۔''

مالک نے یہ تمام گفتگو اپنی بیوی سے جا کر بیان کی اور اس کے ساتھ ہی بیوی سے کہا کہ مبارک سے زیادہ کوئی اور شخص موزوں نہیں ہے۔ چنانچہ بیوی بھی اس پر راضی ہوگئی اور مالک نے اپنی بیٹی کی شادی مبارک سے کر دی۔ (۳)

حضرت عبداللہ اسی خاتون کے بطن سے ۱۱۸ھ میں مرو میں پیدا ہوئے اور مرو کی نسبت سے مروزی کہلاتے ہیں۔ ہوش سنبھالا تو تعلیم وتربیت کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہیں بچپن ہی سے طلب علم کا شوق تھا اور ان کے طلب علم کی شہادت علمائے اسلام نے دی ہے۔ امام نووی نے امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا ہے:

> ''عبداللہ بن مبارک کے زمانہ میں ان سے زیادہ طلب علم کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ انہوں نے دور دراز شہروں کا سفر کیا تھا' مثلاً مصر' شام' کوفہ' بصرہ وغیرہ''۔ (۴)

اساتذہ

امام عبداللہ بن مبارک نے جن اساتذہ وشیوخ سے اکتسابِ فیض کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ علمائے سیر نے اپنی کتابوں میں امام عبداللہ بن مبارک کے اساتذہ و شیوخ کا ذکر کیا ہے۔ آپ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک بن انس، شعبہ بن حجاج، اوزاعی، ابن جریج، لیث بن سعد، یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ۔

تاہم امام عبداللہ بن مبارک نے امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام سفیان ثوری سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔

امام مالک ان کی بہت زیادہ تکریم کرتے تھے اور اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے کہ: ''ابن مبارک خراسان کے فقیہہ ہیں''۔ (۵)

تلامذہ

امام عبداللہ بن مبارک نے باقاعدہ مسند درس قائم نہیں کی۔ ان کی زندگی مجاہدانہ تھی۔ تمام علم ان کے سینہ میں محفوظ تھے۔ جہاں بھی تشریف لے جاتے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ اس لئے ان کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

حدث عنه خلق لایحصون من اهل الاقالیم (۶)

''ممالک اسلامیہ کے اتنے لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔''

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان سے ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا تھا۔ (۷)

علم حدیث سے شغف

امام ابن مبارک کو تمام علومِ اسلامیہ میں مکمل دستگاہ حاصل تھی، مگر علم حدیث کے حفظ وروایت سے ان کو بہت زیادہ شغف تھا۔ یہ ان کا خاص فن تھا اور اس علم کے حصول کے لئے انہوں نے طویل و دشوار سفر کئے اور اس زمانہ کے نامور اساتذہ حدیث سے

استفادہ کیا۔اس علم (حدیث) میں ان کا مرتبہ ومقام بہت بلند تھا۔وہ امام حدیث تھے۔

ائمہ اسلام اور ارباب سیر نے ان کے علم حدیث میں یگانہ روزگار ہونے کا اعتراف کیا ہے اور انہیں ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں:

''ائمہ حدیث چار ہیں: امام مالک' سفیان ثوری' حماد بن زید اور عبداللہ بن مبارک۔''

حدیث نبوی ﷺ کا ان کے دل میں بہت زیادہ احترام تھا۔اگر کوئی شخص حدیثِ نبوی کے بارے میں کوئی نازیبا حرکت کرتا تو اس پر ناراض ہو جاتے۔ان کے نزدیک حدیث کا اس قدر احترام تھا کہ ایک شخص نے ان سے راستہ میں کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

لیس ھذا موضع حدیث (۸)

یعنی یہ موقع حدیث نبوی کی روایت وسماع کا نہیں ہے۔

اَخلاق وعادات

اَخلاق وعادات کے اعتبار سے امام ابن مبارک بلند مرتبہ ومقام کے حامل تھے۔ عبادت' ریاضت' تقویٰ وطہارت' خشیت الٰہی' احساسِ ذمہ داری اور سخاوت میں ضرب المثل تھے۔سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

''میں نے صحابہ کرام کے حالات پر غور کیا تو صحبت نبویؐ کے علاوہ اور کسی چیز میں ابنِ مبارک کو ان سے کم تر نہیں پایا۔''(۹)

علم وفضل میں یگانہ روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ' فیاضی' مہمان نوازی میں اعلیٰ وارفع ہونے کے علاوہ طبیعت میں تواضع اور خاکساری بدرجہ اتم موجود تھی۔

شوقِ جہاد

امام ابنِ مبارک کی ساری زندگی دعوت وتبلیغ' اقامت دین کی جدوجہد' اصلاحِ حال اور جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری سے معمور رہی۔ان کی یہ خصوصیت ضرب المثل بن گئی تھی:

فی اللیل رھبان و فی النھار فرسان

یعنی رات میں وہ یکسو ہو کر عبادت میں لگے رہتے اور دن کو میدان میں شہسوار نظر آتے۔

مرجع خلائق

امام عبداللہ بن مبارک اپنے اوصافِ حمیدہ اور محاسن جلیلہ کے باعث مرجع خلائق بن گئے تھے۔ جہاں بھی تشریف لے جاتے لوگ جوق در جوق ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ ان کے مرجع خلائق ہونے کا ایک واقعہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید رقہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ امام ابن مبارک رقہ تشریف لے گئے' تو پورا شہر اُن کے استقبال کے لئے امڈ پڑا اور لوگ پروانہ وار شہر سے باہر نکل کر ان کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ ہارون الرشید کی ایک لونڈی محل کی چھت سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ اس نے یہ منظر دیکھا تو اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے' لوگ کیوں شہر سے باہر دوڑے جا رہے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ: ''خراسان کے ایک عالم امام عبداللہ بن مبارک تشریف لا رہے ہیں۔ ان کے استقبال کے لئے یہ لوگ جا رہے ہیں''۔ اس پر لونڈی نے بے ساختہ کہا:

''حقیقت میں خلیفہ وقت یہ ہیں' ہارون الرشید نہیں' اس لئے کہ اس کے گرد کوئی مجمع بغیر پولیس' فوج اور اعوان و انصار اکٹھا نہیں ہوتا۔''(۱۰)

تصنیف

حضرت ابنِ مبارک کی زندگی میں مجاہدانہ رنگ غالب تھا۔ تاہم ارباب سیر نے ان کو صاحب تصانیف لکھا ہے۔ امام ذہبی نے ان کی ایک تصنیف ''کتاب الذہب'' کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

صاحب التصانیف النافعة (۱۱)

''بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔''

وفات

امام ابنِ مبارک نے ۶۳ سال کی عمر میں ۱۳ رمضان ۱۸۱ھ میں خلیفہ ہارون

الرشید کے دور خلافت میں بمقام ''ہیت'' انتقال کیا۔[۱۲]

ہارون الرشید کو جب ان کے انتقال کی اطلاع ملی تو کہا افسوس! علماء کے سردار کا انتقال ہوگیا۔[۱۳]

حواشی

(۱) ابن حجر' تہذیب التہذیب' ج ۵' ص ۴۸۶
(۲) نووی' تہذیب الاسماء' ج ۱' ص ۲۸۵
(۳) ابن عماد' شذرات الذہب' ج ۱' ص ۲۹۶
(۴) نووی' تہذیب الاسماء' ج ۱' ص ۲۸۶
(۵) ابن حجر' تہذیب التہذیب' ج ۵' ص ۴۸۷
(۶) ذہبی' تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۵۳
(۷) ابن حجر' تہذیب التہذیب' ج ۵' ص ۴۸۷
(۸) مجیب اللہ ندوی' تبع تابعین' ج ۱' ص ۲۷۶
(۹) ابن جوزی' صفوۃ الصفوۃ' ج ۴' ص ۱۱۱
(۱۰) ابن خلکان' تاریخ ابن خلکان' ج ۱' ص ۲۴۸
(۱۱) ذہبی' تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۲۵۳
(۱۲) خطیب بغدادی' تاریخ بغداد' ج ۱۰' ص ۱۶۸
(۱۳) ایضاً

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

جامعہ الازہر کے پروفیسر امین محمد جمال الدین

کی معرکۃ الآراء کتاب کا اردو ترجمہ

اُمت مسلمہ کی عمر

کے نام سے شائع ہوگیا ہے۔ اس کتاب میں:

☆ خون ریز جنگوں کی قربت اور ان آخری فتنوں کا بیان ہے جو دنیا کے ختم ہونے اور قیامت کی آمد کی خبر دیتے ہیں۔

☆ قیامت کی چھوٹی اور بڑی نشانیوں' مسلم امہ کی عمر' امام مہدی کے ظہور اور المسیح الدجال کی حقیقت کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

عمدہ کمپوزنگ' رنگین سرورق' صفحات: 140' قیمت: 60 روپے

ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور**

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر
قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجئے

نوٹ

اس کتابچے کا انگریزی، عربی، فارسی اور سندھی زبان میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے حقوقِ اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱